بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات

عنوانات	صفحہ نمبر
...... راتوں کو جاگنے کی لذت	160
④ شرح صدر کے اسباب	163
...... شرح صدر کی نعمت	165
...... شرح صدر حاصل ہونے کے اسباب	166
...... پہلا سبب: ایمان	166
...... دو طرح کے بندے	167
...... مومن کا اعزاز	167
...... اللہ کی مومن سے محبت کی دلیل	168
...... ایمان سب سے اعلیٰ نعمت	170
...... آج کے دور میں ایمان کی ناقدری	171
...... نبی علیہ السلام کی ایمان پر ثابت قدمی کی نصیحت	172
...... ایک تابعی کی ایمان پر استقامت	173
...... ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ کی استقامت	173
...... ایمان سیکھنے سے آتا ہے	175
...... ایمان کی قدر قربانی سے آتی ہے	175
...... ایمان کی حقیقت تلواروں کے سائے میں	176
...... ایمان دنیا کے ثبات کا ذریعہ ہے	177
...... ایمان کی حقیقت	177
...... مضبوط ایمان دلیل نہیں مانگتا	178
...... ایمان کی ایک نشانی	179

صفحہ نمبر	عنوانات
179	...... ایمان ضائع ہونے کی تین وجوہات
180	...... ایمان کیسے محفوظ رہے؟
181	...... دوسرا سبب: علم حاصل کرنا
181	...... علم ایک نور ہے
183	...... علم حاصل ہونے کی علامت
183	...... علمی سوال پر مغفرت
184	...... تیسرا سبب: دل میں محبت الٰہی کا ہونا
185	...... محبت الٰہی کہاں سے ملتی ہے؟
185	...... دو محبتیں ایک ساتھ نہیں ہوسکتیں
186	...... شرک برداشت نہیں
187	...... بتوں کو توڑ تخیل کے ہوں یا پتھر کے
188	...... مخلوق سے محبت بھی اللہ کے لیے ہو
189	...... چھ یقینی چیزیں
189	...... ﴿۱﴾ شکر پر نعمت میں زیادتی یقینی
189	...... ﴿۲﴾ صبر پر اجر یقینی
189	...... ﴿۳﴾ توبہ پر معافی یقینی
190	...... ﴿۴﴾ استغفار پر رزق میں برکت یقینی
190	...... ﴿۵﴾ دعا کی قبولیت یقینی
190	...... ﴿۶﴾ صدقے پر مال میں اضافہ یقینی
191	...... چوتھا سبب: ذکر اللہ کی کثرت کرنا

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات
240	...... نافرمانی سے باطنی شکل مسخ ہو جاتی ہے
241	...... حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا کشف
241	...... حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا کشف
242	...... نافرمانوں کی مثالی صورت
243	...... فرمانبرداروں پر اللہ کی رحمت
243	...... حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ پر اللہ کی رحمت
244	...... تقویٰ کا ثمر
246	...... روزِ قیامت آٹھ گواہ
246	...... پہلی گواہی: مکان
247	...... دوسری گواہی: زمان
247	...... تیسری گواہی: لسان
248	...... چوتھی گواہی: ارکان
249	...... پانچویں گواہی: ملکان
250	...... چھٹی گواہی: دیوان
250	...... ساتویں گواہی: نبی انس وجان
254	...... آٹھویں گواہی: الرحمٰن
255	...... توبہ کا عہد
257	⑦ ہدایت بڑی نعمت ہے
259	...... قرآن مجید کتابِ ہدایت ہے
259	...... ہدایت انسان کی بنیادی ضرورت

صفحہ نمبر	عنوانات

☆☆☆☆☆

﴿وَ نُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا﴾

(الانعام:۱۱۰)

قلب کی اقسام

بیان: محبوب العلماوالصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 6 نومبر 2004ء ۲۳ شب رمضان ۱۴۲۵ھ

مقام: نور مسجد لوساکا زیمبیا (افریقہ)

موقع: خصوصی مجالس برائے اعتکاف

اقتباس

مختلف لوگوں کے دلوں میں مختلف طرح کے دل ہوتے ہیں۔مثال کے طور پر:

......بعض اوقات انسان کا دل ایسا ہوتا ہے کہ وہ خدا کو ہی نہیں مانتا، دین کو ہی نہیں مانتا، ایسے بندے کو دھریہ کہتے ہیں۔

...... یا خدا کو مانتا ہے، رسالت کو نہیں مانتا، ایسے بندے کو کافر کہتے ہیں۔

...... یا خدا کو تو مانتا ہے لیکن اور خداؤں کو بھی مانتا ہے، ایسے بندے کو مشرک کہتے ہیں۔

...... یا ظاہر میں لوگوں کے اندر دین کو مانتا ہے اور تنہائیوں میں جا کر دین کے خلاف باتیں کرتا ہے، ایسے بندے کو منافق کہتے ہیں۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

قلب کی اقسام

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o
﴿وَ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ﴾
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

تین نعمتیں:

اللہ رب العزت نے انسان کو تین نعمتوں سے نوازا ہے، ایک انسان کا دل اور دوسرا انسان کا دماغ اور تیسرا انسان کا نفس، یہ تین الگ الگ نعمتیں ہیں، تینوں کی اپنی اپنی شناخت ہے۔

(۱) قلب:

قلب جذبات کا مقام ہے، بہادری کا جذبہ، بزدلی کا جذبہ، محبت کا جذبہ، نفرت کا جذبہ، یہ تمام جذبات الگ الگ ہیں۔ اسی لیے جو بہادر ہوتا ہے، کہتے ہیں کہ بڑا شیر دل انسان ہے، گویا دل کی طرف بہادری کو منسوب کیا جاتا ہے۔

(۲) عقل:

انسان کی عقل خیالات کا مقام ہے۔ جتنے بھی خیالات انسان کے اندر پیدا

ہوتے ہیں ان کا تعلق دماغ سے ہے۔ کیا پروگرام بنانا ہے، کہاں جانا ہے، نفع کیسے حاصل کرنا ہے، نقصان سے کیسے بچنا ہے، ہر قسم کے خیالات دماغ میں آتے ہیں۔

(۳) نفس:

اور انسان کا نفس خواہشات کا مقام ہے، جتنی خواہشات انسان کے جسم میں پیدا ہوتی ہیں وہ نفس سے اٹھتی ہیں۔ یہ خواہشات اچھی بھی ہوسکتی ہیں اور بری بھی ہوسکتی ہیں۔ اچھی خواہش یہ کہ میں حافظ قرآن بن جاؤں، میں عالم دین بن جاؤں، میں دین کا داعی بن جاؤں، میں تہجد گزار بن جاؤں، میں لوگوں کا خدمت گار بن جاؤں۔ یہ سب اچھی خواہشات ہیں اور بری خواہش یہ کہ لوگ مجھے پہچاننے لگ جائیں، مجھے میرا مقام ملنا چاہیے، میں سب سے بہتر ہوں لہٰذا میرا مشورہ قبول ہونا چاہیے، یہ سب باتیں جن کا تعلق میں سے ہے، دنیا سے ہے، یہ سب بری خواہشات ہیں۔

دماغ کی حیثیت:

دماغ کی حیثیت ایسی ہے جیسے کمپیوٹر کے اندر ایک میتھ کو پروسیسر ہوتا ہے اس پروسیسر کو آپ کوئی بھی Question (سوال) دے دیں وہ اسے حل کر کے جواب حاضر کر دے گا۔ اسی طرح آپ دماغ کو کوئی خیال دے دیں، یہ اسی خیال کے تانے بانے بننے شروع کر دے گا۔ اس خیال کو بنیاد بنا کر اسی پر سوچنا شروع کر دے گا۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ کئی مرتبہ دماغ میں ایک خیال آتا ہے اور پھر انسان شیخ چلی کی طرح، ایک کہانی ہی سوچنا شروع کر دیتا ہے۔ اچھے خیال بھی ہوتے ہیں اور برے بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً گناہوں کے خیال برے خیال ہیں اور نیکی کے خیال، اچھے خیال ہیں۔ مگر دماغ کو جو خیال دے دیں گے وہ اسی کو پروسیس کرنا شروع کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے دماغ کو ایسا بنایا کہ اس میں ہٹ ہٹ کر خیال آتے رہتے ہیں۔

یہ ہٹ ہٹ کر خیال کا آنا یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ اگر یہ نعمت نہ ہوتی اور آپ کو گھر والے کہتے کہ جی سبزی لائیں اور سبزی لینے آپ گھر سے نکلتے، راستے میں کوئی بچپن کا کلاس فیلومل جاتا تو دل چاہتا کہ چلومل بیٹھ کر چائے پییں۔ اب چونکہ اس کا مکان قریب ہے، آپ چائے پینے کے لیے وہاں چلے جاتے ہیں مگر اس ساری بات کے دوران آپ کو تھوڑی دیر کے بعد خیال آتا ہے کہ میں سبزی لینے آیا ہوں، دیر ہو رہی ہے، اگر یہ سلسلہ نہ ہوتا اور آپ چائے پینے میں دوست کی باتوں میں لگ جاتے اور وہیں شام کر دیتے تو پھر شام کو واپس جا کر آپ کھانا دیکھتے، یا گانا دیکھتے؟ گھر میں طوفان مچا ہوتا، گھر والے کہتے: آپ نکلتے ہیں تو پیچھے تو مر جاتے ہیں آپ کی انتظار میں۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ انسان کسی بھی کام میں مصروف ہو تو اس کو تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ خیال خود بخود آتا رہتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خود کار نظام (Built in system) ہے، یہ اس کی رحمت ہے۔

خیالات کا آنا برا نہیں ہوتا، خیال کا لانا اور دل میں جمانا، یہ برا ہوتا ہے۔ نیک لوگوں کو بھی اچھے خیالات بھی آتے ہیں اور برے خیالات بھی آتے ہیں۔ جیسے ایک چوراہے کے اوپر ٹریفک ہوتی ہے، کبھی کار آرہی ہے، تو کبھی ٹرک آرہا ہے، کبھی ٹریلر آرہا ہے، جیسی بھی گاڑی آرہی ہے، پولیس والے کا کام ہوتا ہے اُدھر کو اِدھر جانے دے، اِدھر کو اُدھر جانے دے، گاڑی کو رکنے نہ دے۔ اسی طرح مومن کے دل میں کبھی نیکی کا خیال، کبھی برائی کا خیال آتا رہتا ہے مگر اس دماغ کو چوراہا بنائے اور اس کو چلنے دے، آئے اور جائے، ٹکنے نہ پائے۔ اگر ٹریفک جام ہو جائے تو پولیس کی وردی اتار دیتے ہیں کہ تو نے اپنا فرض پورا نہیں کیا۔ اسی طرح اگر انسان کے دماغ میں گناہ کی ٹریفک جام ہو جائے، اللہ تعالیٰ اپنی ولایت کا لباس اتار لیتے ہیں۔ چنانچہ

گندے خیالات کو دماغ میں جمنے نہیں دینا چاہیے، اوّل تو آئیں نہیں، آئیں تو جائیں، ٹکنے نہ پائیں۔اس طرح خیال کے آنے کا مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ہاں اس کے جمانے پراس سے لطف اندوز ہونے پر بندے سے مؤاخذہ ہوگا۔کیونکہ یہ انسان اپنی چوائس سے کرتا ہے۔

جیسے دل کے جذبات ویسے خیالات:

عام طور پر دیکھا ہے کہ جیسے دل میں جذبات ہوتے ہیں ویسے بندے کے خیالات ہوتے ہیں۔اگر دل میں نیکی کا جذبہ ہےتو خیالات نیکی والے ہوں گےاور اگر دل میں کسی غیر کی محبت کا جذبہ ہےتو خیالات اُسی طرح کے ہونگے۔وہ خیالات بندے کی جان ہی نہیں چھوڑتے،دن رات بندے کے دماغ پر مسلط ہوجاتے ہیں۔ کئی مرتبہ بندہ چاہتا ہے کہ مجھے خیال نہ آئیں، انسے پھر بھی آتے ہیں۔تو جیسے جذبات ویسے ہی خیالات۔چونکہ جذبات خیالات کے تابع ہوتے ہیں،مثلاً:ایک آدمی اگر خوش ہوگا تو خیال بھی خوشی کے آئیں گےاور اگر غم زدہ ہوگا تو خیال بھی ویسے ہی آئیں گے۔یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ دل بڑا خوش ہواور خیالات غم کے آرہے ہوں یا دل غم زدہ ہواور خیالات خوشیوں کے آرہے ہوں،ایسا نہیں ہوتا،جیسے جذبات ویسے خیالات۔اس سے معلوم ہوا کہ دماغ انسان کے قلب کے تابع ہے۔

انبیا اور اولیا نے دلوں پر محنت کی:

چنانچہ انبیائے کرام نے دنیا میں آکر لوگوں کے دلوں کو محنت کا میدان بنایا۔وہ اس بات سے واقف تھے کہ جب دل بدل گئے اور نیکی پر آگئے تو سوچیں خود بخود ٹھیک ہوجائیں گی،سوچیں،خود بخود پاک ہوجائیں گی۔جب دل کی گندگی دور ہوجائے گی

تو کفر کی گندگی بھی دور ہو جائے گی۔ جب دل پاک ہو جائے گا تو پھر خیالات بھی پاک ہو جائیں گے۔ چنانچہ انبیائے کرام نے دلوں پر محنت کی۔

اولیائے کرام بھی انسانوں کے دلوں پر محنت کرتے ہیں، دلوں کو سنوارتے ہیں، دلوں کو بناتے ہیں۔ ان کی محنت کا میدان بھی انسان کا دل ہوتا ہے، تاکہ دل سنور جائے اور اللہ رب العزت کی محبت سے بھر جائے۔

قلوب مختلف ہوتے ہیں:

مختلف لوگوں کے دلوں میں مختلف طرح کے دل ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر:

......بعض اوقات انسان کا دل ایسا ہوتا ہے کہ وہ خدا کو ہی نہیں مانتا، دین کو ہی نہیں مانتا، ایسے بندے کو دھریہ کہتے ہیں۔

......یا خدا کو مانتا ہے، رسالت کو نہیں مانتا، ایسے بندے کو کافر کہتے ہیں۔

......یا خدا کو تو مانتا ہے لیکن اور خداؤں کو بھی مانتا ہے، ایسے بندے کو مشرک کہتے ہیں۔

......یا ظاہر میں لوگوں کے اندر دین کو مانتا ہے اور تنہائیوں میں جا کر دین کے خلاف باتیں کرتا ہے، ایسے بندے کو منافق کہتے ہیں۔

تو لوگوں کے قلب کی مختلف کیفیتیں ہوتی ہیں۔

قلب کی حقیقت:

انسان کے سینے میں بائیں جانب گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ عربی کی زبان میں اس کو مضغہ کہتے ہیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ فِیْ جَسَدِ بَنِیْ اٰدَمَ لَمُضْغَةً))

بنی آدم کے جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے۔

((اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ وَ اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ))

وہ بگڑ گیا تو پورے جسم کے اعمال بگڑ جاتے ہیں اور وہ سنور جاتا ہے تو پورے جسم کے اعمال سنور جاتے ہیں۔

((اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ))

جان لو کہ وہ انسان کا دل ہے۔

تو اس مقام کا نام مضغہ اور قلب ہے، یہ قلب بمنزلہ مکان کے ہے ایک اس کے اندر روح ہے جو اس کی مکین ہے اس کو فؤاد کہتے ہیں۔ جیسے قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا﴾

(الاسراء:۳۶)

''بے شک کان آنکھ اور دل ہر ایک سے باز پرس ہوگی''

یہاں قلب کا لفظ نہیں آیا فؤاد کا لفظ آیا۔

﴿وَ نُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ کَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا﴾ (الانعام:۱۱۰)

''اور ہم پھیر دیں گے ان کے دلوں کو جیسے کہ وہ ایمان نہیں لائے''

﴿نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ○ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَةِ ○﴾ (همزہ:۴)

''وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں تک جا پہنچتی ہے''

تو یہ اَفْئِدَة اور فُؤَاد کا جو نام لیا گیا یہ اس مکان کے اندر جو مکین ہے اس کا تذکرہ کیا گیا۔ تاہم کبھی کبھی مکان کا بھی نام لے لیتے ہیں۔

مثال کے طور پر کسی ملک کا تذکرہ کرنا ہوتو اس ملک کے دارالخلافہ کا نام لے لو کہ فلاں اپنا رویہ ٹھیک کر لے۔ حالانکہ وہ تو شہر کا نام ہے مگر مقصود ہوتا ہے کہ اس شہر میں رہنے والے اربابِ اقتدار اپنا رویہ ٹھیک کر لیں۔ تو اسی طرح قلب کی طرف اشارہ کر دیا جاتا ہے، حالانکہ اصل مقصود اس قلب کے اندر اس کا وہ فُؤاد وہ فہم ہوتا ہے۔

قلب کی تین قسمیں:

بنیادی طور پر قلوب تین قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱) قلبِ میت

(۲) قلبِ مریض

(۳) قلبِ سلیم

قلب کی پہلی قسم

قلبِ میت (مردہ دل)

کفار کے سینوں میں جو دل ہوتا ہے اس کو قلب میت کہتے ہیں، یعنی مرا ہوا دل۔ دل کا لوتھڑا تو زندہ ہوتا ہے لیکن اس لوتھڑے کے اندر جو جو فہم ہوتی ہے، جو قوت ادراک ہوتی ہے، وہ نہیں ہوتی۔ فہم و فراست کا فرق ہوتا ہے، وہی قلب زندہ ہوتا ہے اور وہی مردہ ہوتا ہے۔ وہی قلب بینا ہوتا ہے اور وہی قلب نابینا ہوتا ہے، اس کے اندر اگر فراست آ گئی تو وہ بینا ہو گیا، فراست چھن گئی تو نابینا ہو گیا۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿لَهُمْ قُلُوبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَا اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا﴾

’’کاش ان کے دل ہوتے انہیں عقل سکھاتے یا ان کے کان ہوتے جن سے یہ ہدایت کی بات سنتے۔‘‘

﴿اِنَّهَا لَاتَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ﴾

’’بیشک آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، یہ تو سینوں کے اندر دل اندھے ہوتے ہیں۔‘‘

تو انسان کے سینے میں کئی مرتبہ دل اندھا ہوتا ہے۔خواہشات کی پٹی بندھ جاتی ہے۔ جیسے بندے کی آنکھوں پر پٹی باندھ دوتو وہ اندھا ہو جاتا ہے، اسی طرح خواہشات کی پٹی آنکھوں پر آجاتی ہے تو بندے کا دل اس وقت صحیح کام نہیں کرتا۔تو وہ خواہشات کے پیچھے بھاگتا ہے۔تو کافر کا دل، مردہ دل ہوتا ہے۔

تو ایسا دل حقیقت میں توسل ہوتا ہے۔اس کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ (البقرۃ:۷۴)

’’پھر اس کے بعد تمہارے قلوب سخت ہو گئے، یہ پتھر کی مانند ہو گئے یا پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو گئے، بیشک پتھروں سے تو نہریں نکلتی ہیں اور بے شک پتھر پھٹتے ہیں اور ان میں سے پانی نکل آتا ہے اور بعض پتھر ایسے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے کانپتے ہیں‘‘

اے انسان! جب تیرا دل سخت ہوتا ہے، یہ خوفِ خدا سے نہیں کانپتا، پھر یہ پتھروں سے بھی پرے پار ہو جاتا ہے۔

مردہ دل کی پہچان:

مردہ دل کی کیا پہچان کہ ایسے دل کو اللہ تعالیٰ کی جانب کوئی کھنچاؤ محسوس نہیں ہوتا، اس کے دل میں آخرت کی طرف رجحان ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بس وہ دنیا کے جھمیلوں میں لگا ہوتا ہے، اس کے لیے کوشش، اسی دنیا کی زندگی میں انجوائے کرنے میں مگن۔

﴿ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ﴾ (البقرۃ:۳۰)

''ان کے علم کی رسائی بس یہیں تک ہے''

اتنی ہی ان کی دوڑ ہوتی ہے۔ لذات کے پجاری، شہوات کے پجاری بنے ہوتے ہیں، اس بندے کے قلب کو قلبِ میت کہتے ہیں۔ خواہش پوری ہوگئی تو یہ خوش ہوگیا، خواہش پوری نہ ہوئی تو یہ غم زدہ ہوگیا۔ خواہش کے پورے ہونے کو یہ کامیابی سمجھتا ہے اور خواہش کے پورے نہ ہونے کو یہ ناکامی سمجھتا ہے۔ ایسا دل رکھنے والے بندے کی زندگی جہالت میں گزر رہی ہوتی ہے۔ اگرچہ ظاہر میں دنیا کا بڑا علم ہو، بہت سمجھدار ہو مگر وہ جاہل ہوتا ہے۔ جیسے ایک آدمی بڑا سمجھدار ہو، غصے میں آ کر باپ کو خالی گالی دے دے تو اس کو ہر بندہ کہے گا کہ بڑا جاہل ہے۔ حالانکہ اس نے ایم اے کیا ہوا ہے۔

تو یہ قلبِ میت ہے، اس کا امام اس کی شہوت ہوتی ہے۔ اس امام کے پیچھے یہ چل رہا ہوتا ہے، زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ اِدھر خواہش پوری ہوتی نظر آئی ادھر لپک پڑا، اُدھر خواہش پوری ہوتی نظر آئی ادھر لپک پڑا۔ نہ اس کے ہاں عزت کا کوئی مقام نہ ایمان کا کوئی مقام نہ غیرت کا کوئی مقام۔ مثالیں آپ نے سنی ہوں گی: کفار کے ملک میں اکٹھی ڈانس کی محفلیں ہوتی ہیں تو وہ موٹا موٹا لکھ کے لگاتے ہیں۔

ہم میوزک پسند کرتے ہیں۔ We like music

ہم شراکت پسند کرتے ہیں۔ We like Sharing

ہم آزادی پسند کرتے ہیں۔ We like freedom

شراکت (Sharing) کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ کہ مل کر ناچو، جو عورت جس مرد کے ساتھ مرضی ناچے، بیویوں کو شیئر کرتے ہیں، اتنی آزادی پسند ہے انہیں۔ یہ کیا ہے یہ مردہ دل ہے، بس یہ دنیا کی زندگی میں لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں، انجوائے کرنا چاہتے ہیں۔

قلبِ میت کی تین علامات

ایسے قلب کی تین علامتیں ہیں:

(۱) گناہ کرنے میں جھجک (شرم) نہ ہونا:

پہلی علامت کہ جس کا دل مردہ ہوا سے گناہ کرنے سے جھجک (شرم) محسوس نہیں ہوتی۔ مومن گناہ بھی کرے گا تو اس کے دل میں جھجک ہوگی، ندامت ہوگی۔ لیکن اگر کافر کوئی گناہ کرے گا تو بڑے اعتماد (Confedence) کے ساتھ کرے گا، اس کو کوئی عار نہیں ہوگی۔ تو یہ پہلی علامت دل مردہ ہونے کی کہ اس بندے کے اندر سے گناہ کی شرم ختم کر دی جاتی ہے۔ مسلمان نوجوان غیر محرم سے بات کرنا بھی چاہے گا تو طبیعت میں جھجک ہوگی، مردہ دل والے میں یہ حیا نہیں ہوتی۔ اس کے لیے غیر محرم سے بات چیت کرنا، افیئر چلانا آسان، غیبت کرنا آسان، جھوٹ بولنا آسان، دوسروں کے ساتھ دغا بازی کرنا آسان ۔ بڑے آرام سے دوسرے کا مال منگوالیا اور جب کنٹینر پہنچ گیا تو نامنظور (Reject) کر دیا۔ اس وقت بھیجنے والا جانتا

ہے کہ اس پر کیا گزرتی ہے جب کہ اس کو پرواہی نہیں ہوتی، تو یہ مردہ دل کہلاتا ہے۔

۲ نیکی بوجھ لگتی ہے:

دوسری علامت یہ ہے کہ نیک کام کرنا ایسے بندے کو مصیبت نظر آتا ہے۔ آپ اس کو اِدھر اُدھر کی جس محفل میں چاہیں لے جائیں، ذرا نام تو لیں کہ نیک بندے سے ملنا ہے یا نیک محفل میں جانا ہے، اس کے اوپر مصیبت ٹوٹ پڑے گی، اس کو وحشت ہوگی، اس کا دل ہی نہیں چاہے گا جانے کو۔ یہ وحشت کا ہونا دل کے مردہ ہونے کی علامت ہے۔

۳ نصیحت کا برا لگنا:

اور تیسری علامت یہ کہ اس کو نصیحت کی بات بری لگتی ہے۔ آپ اس کو نصیحت کر کے دیکھیں وہ برا منائے گا۔ کہے گا: آپ کون ہوتے ہیں مجھے نصیحت کرنے والے؟ آپ نے یہ بات کی ہی کیوں ہے؟ آپ کو یہ بات کرنے کی جرأت کیسے ہوئی؟

میں اسے سمجھوں ہوں دشمن جو مجھے سمجھائے ہے

جو اِسے سمجھاتا ہے، یہ اُسے دشمن سمجھتا ہے۔ ماں باپ سمجھائیں تو وہ بھی دشمن نظر آتے ہیں۔ یہ دل مردہ ہوتا ہے، قلبِ میت ہوتا ہے۔ اسی کو علامہ اقبال نے کہا:

دلِ مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

مرضِ کہن کہتے ہیں پرانی مرض کو اور چارہ کہتے ہیں دوا کو، یعنی امتوں کے پرانے مرض کا یہی علاج ہے کہ اب تم اپنے مردہ دل کو زندہ کرلو۔

دل گلستان تھا تو ہر شے سے ٹپکتی تھی بہار
یہ بیاباں کیا ہوا عالم بیاباں ہو گیا

دل سویا ہوا یا مویا ہوا:

ایک شخص حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا، کہنے لگا کہ حضرت! پتہ نہیں ہمیں کیا ہو گیا کہ ہمارے دل سیاہ ہو گئے۔ تو انہوں نے پوچھا کہ بھئی کیا ہوا؟ کہنے لگا کہ حضرت آپ درسِ قرآن دیتے ہیں اور ہمارے دل پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا، لگتا ہے کہ ہمارے دل سیاہ ہو گئے ہیں، سخت ہو گئے ہیں۔ حضرت نے یہ سنا تو فرمایا کہ بھئی! یوں نہ کہو کہ دل سیاہ ہو گیا بلکہ یوں کہو کہ ہمارے دل مر گئے۔ یہ نہ کہو کہ ہمارے دل سو گئے بلکہ یہ کہو کہ ہمارے دل مو گئے، مر گئے۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ حضرت! مر کیسے گئے؟ تو حضرت نے آگے سے عجیب جواب دیا، فرمایا کہ دیکھو! جو سویا ہوا ہوتا ہے اسے جھنجھوڑا جائے تو وہ جاگ اٹھتا ہے، جو جھنجوڑنے سے بھی نہ جاگے وہ سویا ہوا نہیں وہ مویا ہوا ہے۔ اس لیے کہ اللہ کا قرآن سنائیں اور جھنجھوڑیں پھر دل نہ جاگے تو یہ دل سویا ہوا نہیں یہ دل مویا ہوا ہے۔ ایسے ہی مردہ دل والے لوگ، یہ بھی چلتی پھرتی انسانیت کی قبریں ہوتی ہیں۔ ان کی لاش ایک گھر ہے، قبر ہے، جس کے اندر مردہ پڑا ہوا ہے۔

مجالسِ علما کی اہمیت:

اسی لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((عَلَيْكُمْ بِمَجَالِسَةِ عُلَمَاءِ وَ سِمَاعِ كَلَامِ الْحُكَمَاءِ))

''تمہارے لیے علما کی مجالس کو اختیار کرنا اور داناؤں (اہل اللہ) کی باتوں کو سننا لازم ہے''

((وَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالیٰ يُحْيِ الْقَلْبَ الْمَيِّتَ كَمَا يُحْيِ الْاَرْضَ الْمَيْتَ مِنْ مَّاءِ الْمَطَرِ))

''بیشک اللہ تعالیٰ مردہ دل کو (ان بزرگوں کی باتوں سے) اس طرح زندہ کرتے ہیں جیسے کہ بارش کے برسنے سے اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو زندہ کر دیا کرتے ہیں''

جس طرح بنجر زمین پر بارش برسے تو کھیتی اگ آتی ہے، اس بنجر دل کے اندر جب نصیحت کی بات پڑتی ہے تو اس کے اندر سے بھی خیر کے جذبے ابھر آتے ہیں۔

دوسری قسم

ایک دل اس سے کچھ نسبتاً بہتر ہوتا ہے اس کو قلب المریض کہتے ہیں۔ بیمار دل۔ زندہ ہے مگر بیمار ہوتا ہے۔ یہ کس کا دل ہوتا ہے؟ یہ مومن گناہ گار کا دل ہوتا ہے۔ مومن گناہ گار کا دل بیمار دل ہوتا ہے، وہ مریض دل ہوتا ہے۔ ہوتا زندہ ہے مگر مریض ہوتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں فرمایا: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویو! ﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ﴾ اگر کسی نامحرم سے بات کرنی پڑے تو تم ذرا مناسب انداز سے گفتگو کرو آواز کے اندر نرمی نہ ہو، لوچ نہ ہو۔ کیوں؟ ایسا نہ ہو کہ

﴿فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ﴾ (الاحزاب:۳۲)

''طمع کرے وہ بندہ جس کے دل میں مرض ہے''

طمع کرنے کا کیا مطلب؟ یہ کہ اس کے دل میں تمہاری طرف خواہش اور میلان پیدا ہو جائے گا۔ اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو جائے گا کہ کتنی نرم بات کی، کتنے اچھے انداز سے بات کی، وہ تم سے ملنے کی راہیں ڈھونڈنا شروع کر دے گا۔ تو یہ کون شخص ہوگا؟ ﴿فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ﴾ جس کے دل کے اندر بیماری ہے۔ تو جب دل

میں شہوات غالب ہوتی ہیں تو وہ دل بیمار ہوتا ہے۔

اسی طرح فاسق کا دل، منافق کا دل وہ بھی مریض ہوتا ہے۔ منافقوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾ (البقرۃ:۱۰)

''ان کے دلوں میں بیماری ہے، اللہ ان کی بیماری کو اور بڑھاتا ہے''

دل کے روگی:

کئی مرتبہ بندہ ہوتا تو مومن ہے مگر روگ پال لیتا ہے۔ روگ پالنا کسے کہتے ہیں؟ کسی مورتی کو اندر بٹھا لینا، لوگ اس کو عشق کا نام دیتے ہیں حالانکہ یہ پکا فسق ہوتا ہے۔ نفسانی محبتیں، شیطانی محبتیں، تمام کی تمام روگ پالنے والی باتیں ہیں۔ اب جتنے نوجوانوں نے بھی روگ پالا ہوتا ہے وہ دل کے مریض ہوتے ہیں، ان کے دل کا علاج ضروری ہے۔ یہ بے چارے اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوتے ہیں، ادھر نظر پڑی تو یہ بھی مل جائے، اُدھر نظر پڑی تو وہ بھی مل جائے:

اس دل کے ٹکڑے ہزار ہوئے کوئی یہاں گرا کوئی وہاں گرا

ایک سے چیٹنگ ختم کی بالکل وہی لیٹر اب دوسری کو ای میل کر دیا۔ ایک لیٹر لکھا اس کی پانچ کاپیاں اور پانچ ای میل ایڈریسز پہ جا رہی ہیں۔ اس کو بھی کہا تیرے بغیر گزارا نہیں، اس کو بھی کہا تیرے بغیر گزارا نہیں اور آخری کو کہا کہ تیرے بغیر تو مر ہی جاؤں گا اور کوئی بھی نہ ملے تو مرتا پھر بھی نہیں۔

تو ایسے دل کو قلبِ مریض کہا جاتا ہے۔ افسوس کہ آج کا انسان اپنے گھر کو چمکا کر رکھتا ہے، گھر کے بیت الخلا کو چمکا کر رکھتا ہے، جوتے کی نوک کو چمکا کر رکھتا ہے، اس کو اپنے دل کو چمکانے کی فکر کوئی نہیں۔

قلب مریض کی علامات:

تو ایسے دل کی پہچان یہ کہ اس میں ایمان بھی ہوتا ہے لیکن اس میں حرص بھی ہے، حسد بھی ہے، تکبر بھی ہے، عجب بھی ہے، بخل بھی ہے، یہ ساری کی ساری باطنی بیماریاں بھی اس میں ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایک لمحے اس پر رحمٰن کی محبت غالب آئے گی اور دوسرے لمحے اس پر شیطان کی خواہش غالب آئے گی۔ کبھی کبھی تو اولیا والی کیفیت ہو گی، بیٹھے رو رہے ہیں، مانگ رہے ہیں، اللہ کے بڑے قریب ہیں۔ اور کبھی فرض نماز بھی چھوٹ جاتی ہیں۔ مسجد میں ہیں تو بڑی اعلیٰ کیفیت ہے۔ سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ زبان سے نکل رہا ہے۔ ذرا مسجد سے باہر قدم رکھا تو بس سڑکوں پر گزرنے والی شکلوں کو دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ مسجد کی کیفیت ختم، یہ نئی کیفیت شروع، یہ قلب مریض کی علامت ہے۔ مرض فوراً ابھر آتی ہے۔ اس بندے کی مثال دیا سلائی کی طرح ہوتی ہے، جیسے دیا سلائی کے اندر آگ ہر وقت چھپی ہوتی ہے، رگڑ لگی آگ ابھر آئی۔ اسی طرح اس بیمار کو شیطان خیال کی رگڑ لگاتا ہے اور شہوت ابھر آتی ہے۔ تو یہ دل کے مریض ہونے کی علامت ہے۔

قلبِ مریض کا علاج:

جس طرح بیمار آدمی اپنی جسمانی بیماریوں کا علاج کروائے تو صحت پا لیتا ہے، اسی طرح اگر ایسا انسان روحانی بیماریوں کا علاج کروائے تو یہ قلب بھی صحت پا لیتا ہے۔

◉ جو جسمانی بیماریوں کے سپیشلسٹ ہوتے ہیں ان کو ڈاکٹر کہتے ہیں اور جو روحانی بیماریوں کے سپیشلسٹ ہوتے ہیں، ان کو شیخ کہتے ہیں۔

⊙ جسمانی بیماری کے لیے جہاں مریض جا کر رہتے ہیں اس کو ہسپتال کہتے ہیں۔روحانی بیماریوں کے علاج کے لیے جہاں جا کر رہتے ہیں اس کو خانقاہ کہتے ہیں۔

⊙ جسمانی بیماریوں کا علاج بسا اوقات شعاؤں کے ذریعے سے کیا جاتا ہے۔جیسے کینسر کا علاج شعاؤں سے کرتے ہیں۔پتھری اگر ہے تو شعاؤں سے توڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح روحانی بیماریوں کا علاج نگاہوں سے کیا جاتا ہے۔

تیرا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

⊙ جیسے جسمانی بیماریوں سے صحت یاب ہو کر انسان قوی ہو جاتا ہے اسی طرح روحانی بیماریوں سے صحت یاب ہو کر انسان اللہ کا ولی ہو جاتا ہے۔

⊙ جسمانی بیماریوں کے علاج میں سستی کی تو زیادہ سے زیادہ انسان موت کے منہ میں چلا جائے گا، روحانی بیماریوں کے علاج میں سستی کی تو انسان جہنم کے منہ میں چلا جائے گا۔

تیسری قسم

قلبِ سلیم

قلب کی ایک سب سے بہتر قسم ہے اس کو قلبِ سلیم کہتے ہیں۔سلامتی والا دل، زندہ دل،نور سے بھرا ہوا دل، ایمان سے بھرا ہوا دل،محبتِ الٰہی سے بھرا ہوا دل۔ قلبِ سلیم کا کیا مطلب کہ ماسوا کی محبت سے وہ بچا ہوا ہو،محفوظ ہو۔ماسوا کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ ماسوا ہے۔تو ماسوا کی محبت سے جو دل محفوظ ہو ایسے دل کو قلبِ سلیم کہتے ہیں۔جو شیطان کے حملوں سے،نفسانی خواہشات سے،

گناہوں کے ارادوں سے سلامتی میں ہو، اس کو قلبِ سلیم کہتے ہیں۔

اب جس بندے کا نام سلیم ہو وہ تو بڑا خوش ہو رہا ہو گا کہ سب سے اچھا دل تو میرا ہے۔ بھئی! قلبِ سلیم کی بات ہو رہی ہے تو یہ کسی بندے سلیم کا دل نہیں ہے، بلکہ وہ دل جو گناہوں کے اثرات سے سلامتی میں ہو۔ اس کو قلبِ سلیم کہتے ہیں۔ اور یہی چیز اللہ تعالیٰ بندے سے مانگتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴾
(الشعرا: ۸۸)

"قیامت کے دن نہ مال کام آئے گا، نہ بیٹے کام آئیں گے، جو انسان قلبِ سلیم لایا، وہ دل اسے کام آئے گا"

تو ہر مومن کے دل کی تمنا یہ ہونی چاہیے، اے اللہ! ہمارے قلب کو قلبِ سلیم بنا دے۔ قلبِ سلیم جو غیر کی بندگی سے سلامتی میں ہو یا جس دل کے اندر محبت ہو، انابت الی اللہ، خشوع الی اللہ، اخلاصِ عمل ہو تو اس قلب کو قلبِ سلیم کہتے ہیں۔

قلبِ سلیم کی علامات

اس قلب کی کچھ نشانیاں ہیں۔

(۱) اللہ کے لیے محبت ہونا:

حدیثِ پاک میں ہے فرمایا گیا:

((مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ))

کہ جو محبت کرے تو اللہ کے لیے کرے۔

اللہ کے لیے محبت کے واقعات تو کئی سنیں ہوں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے

درمیان مواخات بھائی چارہ کروایا، تو مہاجرین کو انصار میں کسی ایک کا بھائی بنا دیا، اللہ کے لیے یہ ایسی محبت ہوئی کہ لوگوں نے اپنا آدھا کاروبار ہجرت کر کے آنے والے بھائی کو دے دیا۔ اس میں ایسی بھی مثال ہے کہ کسی کی دو بیویاں تھیں، ان میں سے ایک کو طلاق دے کر آزاد کر دیا اور بھائی سے اس کا نکاح کر دیا۔ ایک دوسرے کی وفات کے بعد چالیس چالیس سال تک اس کی بیوہ اور یتیموں کی انہوں نے پرورش کی، بغیر کسی دنیا کی غرض کے۔ یہ اللہ کی محبت کی انمول مثالیں ہیں۔

اسی لیے اللہ کے لیے محبت اتنا اچھا عمل ہے کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ قیامت کے دن سات بندے عرش کے سائے میں ہوں گے، ان سات میں سے دو بندے وہ ہوں گے۔

((هُمْ مُتَحَابُّوْنَ فِيْ اللّٰهِ))

جو اللہ کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرتے ہوں گے۔

مثال کے طور پر یہ جو دینی محبتیں ہوتی ہیں نا سلسلے کے لوگ ہوں، ذکر کے لوگ ہوں، یا تبلیغی جماعت والے لوگ ہوں، علم والے لوگ ہوں، دین کے کسی شعبے میں کام کرنے والے ہوں، ان میں آپس میں محبتیں ہوتی ہیں۔ یہ محبتیں دین کی بنیاد پر ہوتی ہیں اللہ کی نسبت سے ہوتی ہیں اس لیے یہ تمام محبتیں رکھنے والے لوگ قیامت کے دن عرش کے سائے کے نیچے ہوں گے۔

۲ اللہ کے لیے دشمنی ہونا:

دوسرا فرمایا:

((وَ اَبْغَضَ لِلّٰهِ))

''اور بغض رکھے تو بھی اللہ کے لیے بغض رکھے''

اس سے کیا مراد؟ مثال کے طور پر: ایک مومن کے دل میں کفر یا کافری سے بغض ہونا چاہیے۔ ہمیں کفار کے طور طریقے اچھے نہیں لگتے، ہمیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک سنتوں سے عمل کرنا اچھا لگتا ہے۔ اب ان طریقوں کی ناپسندیدگی یہ بغض فی اللہ کی مد میں شامل ہے۔ ہماری ان سے کوئی ذاتی لڑائی تو نہیں، کوئی جائیداد تو تقسیم نہیں کرنی، ہم کیوں ان طریقوں کو ناپسند کرتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی نسبت سے ناپسند کرتے ہیں، اسے بغض فی اللہ کہتے ہیں۔ جیسے الحب فی اللہ ضروری ہے، البغض فی اللہ بھی ضروری ہے۔

مثال:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کلمہ پڑھ لیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں آگئیں اور ہجرت کر کے مدینہ شریف آگئیں۔ کافی عرصہ گزر گیا، ایک مرتبہ ابو سفیان کو مدینہ طیبہ آنے کا موقعہ ملا تو اس کا دل بیٹی کو ملنے کو چاہ رہا تھا، مدت ہوگئی تھی بیٹی سے بچھڑے ہوئے۔ تو وہ پوچھتا پاچھتا امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں آگیا۔ باپ تھا، یہ جب اچانک گھر میں آگیا تو ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے والد کو دیکھ کر حیران ہو گئیں، یہ چونکہ سفر سے آئے ہوئے تھے، تھکے ہوئے تھے، ایک چارپائی پر بستر بچھا ہوا تھا، یہ وہاں بیٹھنے لگے۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ذرا آگے بڑھیں اور انہوں نے جلدی سے بستر اس چارپائی سے لپیٹ لیا اور والد کو کہا کہ آپ چارپائی پر بیٹھ جائیں۔ اب یہ بھی سردار تھا، سمجھدار تھا، کہنے لگا: بیٹی! باپ کے آنے پر بستر بچھاتے ہیں، بستر اٹھاتے تو نہیں ہیں، تو نے بستر کیوں اٹھایا؟ میں بستر کے قابل نہیں تھا یا بستر میرے قابل نہیں تھا؟ تو ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے صاف کہہ دیا کہ یہ اللہ رب العزت کے سچے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے اور اللہ کے قرآن نے کہا: مشرک نجس ہوتے ہیں۔ ایک نجس بندہ پاک

نبی ﷺ کے بستر پر بیٹھ نہیں سکتا۔ تو باپ بیٹی کا تعلق ایک الگ چیز ہے لیکن اللہ کے تعلق کو پہلے دیکھا۔ اس کو کہا جائے گا البغض فی ا الله۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے تھے جو غزوہ بدر میں مسلمان نہیں ہوئے تھے بعد میں مسلمان ہوئے تھے۔ گھر میں بیٹھے ہوئے تھے تو آپس میں گفتگو ہونے لگی تو بیٹے نے کہا کہ ابو! بدر والے دن آپ دو دفعہ میری تلوار کی زد میں آئے لیکن میں نے آپ کو ابو سمجھ کر چھوڑ دیا، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: بیٹا! اللہ کی قسم اگر تو اس دن میری تلوار کی زد میں آتا تو میں تجھے اپنا بیٹا سمجھ کے کبھی معاف نہ کرتا۔ اس کو کہتے ہیں وَ اَبْغَضَ لِلّٰہِ۔

﴿۳﴾ اللہ کے لیے دینا:

((وَ اَعْطٰی لِلّٰہِ))

اگر کسی کو کچھ دے تو اللہ کے لیے دے۔

نام و نمود کے لیے نہ دے کہ لوگوں میں میرے چرچے ہوں، لوگوں میں میری تعریفیں ہوں۔ نہیں، فقط اللہ کی رضا کے لیے دے۔

مثال:

ابو عمر نجیر ایک بزرگ گزرے ہیں، ان کو وقت کے حاکم نے کہا کہ جی میں نے ایک فلاحی کام کرنا ہے اور خزانے میں فنڈ نہیں ہے آپ اس کے لیے کچھ ڈونیشن (عطیہ) دیں۔ انہوں نے اس زمانے میں دو لاکھ دینار اس کام کے لیے دے دیے۔ دینار سونے کا بنا ہوا سکہ ہوا کرتا تھا، تو دو لاکھ سکے سونے کے بنے ہوئے تھے، بہت بڑی رقم تھی۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ اس حاکم نے اگلے دن کچھ لوگوں کو بلایا اور وہ

چاہتا تھا کہ جو بقایا رقم ہے وہ دوسرے لوگ ڈال دیں تاکہ میں کام کر سکوں۔ مگر بات کرتے ہوئے اس نے یہ بات کھول دی کہ دیکھو کہ ابو عمر نجیر نے تو مجھے دو لاکھ دینار دیے ہیں۔ اب جب سب لوگوں کے سامنے تذکرہ ہوا تو ہر بندے نے حیرانی کی نظر سے ابو عمر نجیر کو دیکھا کہ اتنا بڑا مال اس نے صدقہ کر دیا۔ جب سب نے اس کو رشک کی نظر سے دیکھا تو ابو عمر نجیر کھڑے ہو گئے اور امیر کو کہنے لگے کہ جی آپ کو میں نے رقم تو دی مگر میں نے اپنی والدہ سے مشورہ نہیں کیا، لہٰذا وہ رقم آپ مجھے واپس کر دیں۔ انہوں نے رقم واپس مانگ لی، امیر نے واپس دے دی۔ اب جب واپس دی تو لوگوں نے اب ان کو غصے کی نظر سے دیکھنا شروع کر دیا کہ یہ کیسا بندہ ہے؟ حتی کہ اسی پر محفل کا اختتام ہو گیا اور لوگ دل میں غصہ بھرے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

جب رات کافی گزر گئی، لوگ چلے گئے، یہ اکیلے رہ گئے تو یہ آئے اور انہوں نے وقت کے حاکم کو وہ دو لاکھ دینار دوبارہ دے دیے اور کہا کہ اللہ کے بندے تو لوگوں کے سامنے تذکرہ کر کے مجھے ہلاک کرنا چاہتا تھا، میں نے اس حیلے سے اپنے آپ کو ہلاک ہونے سے بچا لیا، اللہ کی رضا کے لیے پھر دوبارہ دیتا ہوں۔ اب کسی کے سامنے نام نہ لینا، یہ ہوتا ہے و اعطیٰ للہ کہ اگر دے تو اللہ کے لیے دے۔

۴ اللہ کے لیے منع کرنا:

((وَ مَنَعَ لِلّٰهِ))

اور اگر منع کرے تو اللہ کے لیے منع کرے۔

مثال:

عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی بیوی فاطمہ تھی، بادشاہ کی بیٹی، بادشاہ کی بہن، اور

بادشاہ کی بیوی۔اس عورت نے اپنی زندگی میں تین محرم مردوں کو تاج کی حالت میں دیکھا،تو وہ کتنی ناز ونعمت کی پلی عورت ہوگی؟ اس کے والد نے اس کو شادی کے موقع پر خزانے سے بہت قیمتی ہیرے اور موتی دیے تھے۔جب عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ بنے اور انہوں نے فاطمہ کو بلایا اور کہا: اب تک دوسرا بندہ اس کا ذمہ دار تھا، اب میں بن گیا ہوں، میری نظر میں یہ مال بیت المال کا مال ہے، اگر تو اس کو اپنے پاس رکھنا چاہتی ہے تو پھر مجھ سے جدا ہونا پڑے گا، میرے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو اس مال کو جدا کر دے! میں اسے اپنے گھر میں نہیں دیکھ سکتا۔ بیوی نے کہا کہ یہ مال کیا میں اس سے کئی گنا زیادہ مال آپ کے قدموں پر ڈال دیتی ہوں۔ چنانچہ انہوں نے وہ مال لے لیا اور واپس بیت المال میں لوٹا دیا۔

بیت المال سے وہ بہت تھوڑا وظیفہ لیتے تھے، بالکل معمولی۔ایک مرتبہ انہوں نے بیٹی کو بلایا تو بیٹی نے آنے میں دیر کر دی۔تو دوسری مرتبہ ذرا غصے سے کہا کہ آتی کیوں نہیں؟ تو اس کی جگہ بیوی آئی، کہنے لگی کہ آپ غصے نہ ہوں، اس بیٹی کا لباس کہیں سے پھٹ گیا ہے اور اس کے پاس دوسرا لباس ہی نہیں، وہ کمرے میں بند ہو کر اس لباس کو اتار کے سی رہی ہے۔ جب تک وہ سی کے پہن نہ لے وہ کہاں آپ کے پاس آسکتی ہے۔ وقت کے حاکم ہیں، خلیفہ ہیں اور ان کی بیٹی کے پاس پہننے کے لیے دوسرا لباس ہی نہیں۔ان کے رشتہ داران کو کہتے تھے کہ ہمیں بیت المال سے یہ دے دو، یہ دے دو، لیکن نہیں دیتے تھے۔اب یہ جو انہوں نے اپنے رشتہ داروں سے مال کو روکا منع کیا تو کس کے لیے کیا؟ اللہ کے لیے منع کیا۔

ایک مرتبہ ان کی بیوی کی بچپن کی سہیلی تھی، اس نے سنا کہ فاطمہ کا خاوند تو خلیفہ بن گیا ہے۔ کہنے لگی کہ چلتی ہوں اور جا کر فاطمہ سے کہتی ہوں کہ خاوند سے سفارش

کر کے مجھے بھی کچھ دلوائے۔ وہ آئی اور فاطمہ کے پاس بیٹھ گئی۔ اس نے کیا دیکھا کہ گھر میں کچھ تعمیر ہو رہی تھی اور ایک مزدور جو اپنے سر پر گارا رکھ کر لے جا رہا تھا، وہ آتے جاتے فاطمہ کو بڑی نرم نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ عورت پھر عورت ہوتی ہے، وہ بڑھیا پہچان گئی کہ اس نوجوان مزدور کی آتے جاتے نظر ملکہ پہ پڑتی ہے اور وہ تھی بھی بہت خوبصورت۔ اس نے فاطمہ سے کہا کہ میری خلیفہ سے ملاقات کروا دو اس نے کہا کہ وہ کام میں مشغول ہیں فارغ ہوں گے تو ملاقات ہو گی۔ اس نے کہا: اچھا مجھے جلدی جانا ہے میں واپس جاتی ہوں لیکن خلیفہ آئیں تو ان کو کہنا کہ یہ جو مزدور ہے اس کی چھٹی کروا دیں، مجھے اس کی نیت میں فرق نظر آتا ہے۔ تو جب اس نے یہ کہا تو فاطمہ مسکرائی اور کہنے لگی کہ یہ مزدور نہیں یہی تو میرے میاں خلیفۂ وقت عمر بن عبد العزیز ہیں۔ اب یہ خلیفہ وقت ہیں اور مزدوری کر رہے ہیں۔ انہوں نے جو اپنے آپ کو دنیا کی نعمتوں سے روکا تو کس لیے روکا؟ اللہ کے لیے۔ اس کو کہتے ہیں وَمَنَعَ لِلّٰهِ۔

ان کی کوئی ایک رشتہ میں اماں دادی تھی، بوڑھی تھی۔ کئی بڑھیا عورتوں پر تو بڑھاپے میں اللہ کی رحمت ہو جاتی ہے اور کئی ماشاء اللہ تیز ہو جاتی ہیں۔ اب وہ بڑھیا آ گئی اور اس نے حضرت کو مجبور کرنا شروع کر دیا کہ تم مجھے بیت المال سے اتنا اتنا دے دو۔ انہوں نے بڑا سمجھایا کہ یہ جائز نہیں، درست نہیں، مگر وہ کہاں مانے۔ کبھی تو بوڑھوں کو بات سمجھ نہیں آتی اور کبھی وہ سمجھنا ہی نہیں چاہتے، تو وہ بھی ایسی ہی تھی کہ سمجھنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ ع

مرد ناداں پہ کلامِ نرم و نازک بے اثر

اور جب انہوں نے اس کو بہت سمجھایا مگر وہ نہ سمجھی تو عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے

اپنے خادم سے کہا کہ جاؤ اور گھر سے کچا گوشت لاؤ! وہ کچا گوشت لایا تو انہوں نے قریب آگ جل رہی تھی اس پر گوشت کو جو رکھا تو اس کے جلنے کی بو آئی۔ جب بو زیادہ آئی تو بڑھیا نے کہا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ اتنی بو مچا رہے ہو؟ کہنے لگے کہ اماں! میں آپ کو دکھا رہا ہوں کہ اگر میں بیت المال کے پیسے میں ناجائز تصرف کروں گا تو جس طرح تم اس گوشت کو آگ میں جلتا دیکھ رہی ہو، ایک وقت آئے گا کہ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے گوشت کو جہنم کی آگ میں جلتا ہوا دیکھو گی۔ بڑھیا سمجھ گئی کہ یہ پکا بندہ ہے، وہ وہاں سے چلی گئی، اس کو کہتے ہیں وَ مَنَعَ لِلّٰہِ اللہ کے لیے منع کرنا۔

((مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰہِ وَ اَعْطٰی لِلّٰہِ وَ مَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ))

جو محبت کرے تو فقط اللہ کے لیے، غصہ کرے تو اللہ کیلیے، دے تو اللہ کے لیے اور منع کرے تو اللہ کے لیے۔ ان اوصاف کے آجانے سے اس کا ایمان مکمل ہو جاتا ہے۔

تو یہ زندہ دل کی قلب سلیم کی نشانیاں ہوتی ہیں۔

قلب عبداللہ عرش اللہ:

دل انسان کے جسم کا سب سے اہم عضو ہے، یہ پورے جسم کا صدر مقام ہے۔ اس کو حدیثِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنا گھر کہا۔ قلبِ عبداللہ اس کو عرش اللہ کہا ہے فرمایا:

لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَآئِیْ

نہ میں زمینوں میں سماتا ہوں نہ آسمانوں میں سماتا ہوں،

میں مومن بندے کے دل میں سما جاتا ہوں۔

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
میں جان گیا کہ بس تیری پہچان یہی ہے

ارض و سما کہاں تیری وسعت کو پا سکے
اک میرا دل ہی ہے کہ جہاں تو سما سکے

تو جب اس مومن کا دل منور ہوتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا گھر بن جاتا ہے۔

اللہ کو صاف دل پسند ہے:

بھئی! ہر بندہ چاہتا ہے کہ گھر صاف ہو۔ عورت کا معمولی خاوند بھی ہو تو وہ بھی تقاضا کرتا ہے کہ میرے گھر کا آنگن صاف رہنا چاہیے۔ تو اللہ تعالیٰ بھی چاہتے ہیں کہ میرا گھر صاف رہنا چاہیے۔ تو ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے دلوں کو اللہ کے لیے صاف کر لیں۔

اگر ایک مکان کسی کو کرائے پہ دیا ہو یا ادھار دیا ہو تو مالکِ مکان کیسے خوش ہوتا ہے؟ مکان کو گندہ رکھنے پر یا مکان کو صاف رکھنے پر۔ جتنا مکان کو وہ صاف رکھے گا مالکِ مکان اتنا زیادہ خوش ہوگا۔ اسی طرح یہ دل بھی اللہ کی مِلک ہے، ہمارے پاس ادھار کا مال ہے، ہم اِسے جتنا صاف کریں گے، اللہ رب العزت اتنا زیادہ ہم سے خوش ہوں گے۔ لوگ مہمانوں کے آنے پر گھروں کو صاف کرتے ہیں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دل میں مہمان آئیں تو ہمیں بھی دل کے گھر کو صاف رکھنا پڑے گا۔

یہاں اگر کوئی یہ اشکال پیش کرے کہ جی اللہ تعالیٰ اگر صاف دل کو پسند کرتے ہیں تو خود ہی صاف کر دیں، تو علما نے اس کا جواب دیا کہ اللہ رب العزت کی حیثیت

مہمان کی ہے اور بندے کی حیثیت میزبان کی ہے۔ گھر کی صفائی مہمان کے ذمے نہیں ہوتی میزبان کے ذمے ہوتی ہے۔ تو ہمیشہ ہم اس دل کو صاف رکھیں۔

دل اللہ کے لیے وقف ہے:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا:

﴿ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ﴾ (التوبۃ:۱۱۱)

''اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کے مالوں کو اور ان کی جانوں کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے''

تو جنت کے بدلے دو چیزوں کو خریدا، ﴿اَمْوَالَھُمْ﴾ ان کے مالوں کو اور ﴿اَنْفُسَھُمْ﴾ اور ان کے نفوس کو۔ تو یہاں طالبِ علم کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مال کو بھی خریدا اور نفوس کو بھی خریدا، حالانکہ سب سے پہلے خریدنے والا تو مکان خریدتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے دل کا تذکرہ تو کیا ہی نہیں کہ میں مومن سے اس کا دل خریدتا ہوں۔ تو دل کا تذکرہ کیوں نہیں کیا گیا؟ یہاں مفسرین نے ایک نکتہ لکھا وہ فرماتے ہیں: دل اللہ رب العزت نے اپنے لیے خاص کر لیا، دل کی مثال وقف کی جائیداد کے مانند ہوتی ہے اور کوئی وقف کی جائیداد بن جائے تو اسے بیچا اور خریدا نہیں جاتا۔ یہ دل کیونکہ وقف کی جائیداد ہے، اللہ کے لیے وقف ہو چکا، اس لیے اللہ نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ اس کے سوا بندے کے پاس مال اور جان تھی، اللہ نے جنت کے بدلے اس کو بھی خرید لیا ہے۔ میرے بندے دل کا تذکرہ کیا کرنا یہ تو ہے ہی وقف کا مال، یہ تو ہے ہی میرے لیے۔

دل کو اللہ کا گھر کیوں کہا؟

اچھا بھئی! بیت اللہ اللہ کا گھر ہے، تو کیا اللہ تعالیٰ معاذ اللہ اس کوٹھے کے اندر رہتے ہیں؟ پھر کیوں اس کو بیت اللہ کہتے ہیں؟ اس کو بیت اللہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی تجلیات ذاتیہ وارد ہوتی ہیں۔تو اللہ تعالیٰ کی تجلیاتِ ذاتیہ کے وارد ہونے کی وجہ سے اس کو اللہ کا گھر کہتے ہیں۔اسی طرح مومن جب اس دل کو سنوارتا ہے تو یہ دل بھی اللہ کی گزرگاہ بن جاتا ہے، اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی تجلیات ذاتیہ کا ورود ہوتا ہے، یہ پھر اللہ کا گھر بن جاتا ہے۔

دل کے ابرہہ پر لا الہ کی کنکریاں:

جب اللہ کے گھر پر ابرہہ نے ہاتھی لے کر چڑھائی شروع کی تھی تو پھر اس لشکر کو اللہ نے کس کے ذریعے سے مروایا تھا؟

﴿ تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ﴾ (الفیل:۴)

پرندوں نے کنکریاں پھینکیں اور ان کنکریوں نے اس ابرہہ کے لشکر کو کھائے ہوئے بھس کی طرح بنا دیا۔بالکل اسی طرح آج کے دور میں بھی شیطان کی مثال ابرہہ کی مانند ہے اور یہ اس بیت اللہ کو ہم سے چھیننا چاہتا ہے، اللہ والو! اب تم اس کے اوپر لا الہ الا اللہ کی کنکریوں کی ایسی بارش کر دو کہ اس شیطان کو کھائے ہوئے بھس کی طرح کر دے۔اس لیے مشائخ کہتے ہیں: یہ لا الہ الا اللہ کیا ہوتا ہے؟ شیطان کو کنکریاں پڑ رہی ہوتی ہیں۔تو اس گھر کی حفاظت ربِ کریم نے پرندوں سے کر لی تھی اور ان گھروں کی حفاظت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ذریعے فرماتے ہیں۔ ان پرندوں نے کنکریاں ماری تھیں اور یہ بندے لا الہ الا اللہ کی ضربوں سے اس شیطان کے اوپر پتھر اور کنکریوں کو پھینک رہے ہوتے ہیں۔

قلبِ سلیم کی کچھ اور علامات:

اس صحت مند قلب کی علامات علما نے کتابوں میں لکھی ہیں۔ کچھ علامات تو بتائی گئیں اب اور بھی علامات سن لیجیے۔

نبی ﷺ نے فرمایا کہ مومن کی یہ پہچان ہے:

○ اَلتَّجَافِیْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ

یہ دنیا جو دھوکے کا گھر ہے اس سے بندے کا دل اچاٹ ہو جاتا ہے۔

○ وَالْاِنَابَۃُ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ

ہمیشہ رہنے والے گھر کی طرف اس کا رجوع زیادہ ہو جاتا ہے۔

○ وَالْاِسْتِعْدَادُ الْمَوْتِ قَبْلَ النُّزُوْلِ

اور موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری میں لگ جاتا ہے۔

یہ تینوں نشانیاں اس زندہ دل کی ہوا کرتی ہیں۔

یہ نشانیاں بھی لکھی ہیں کہ انسان کا دل جب زندہ ہوتا ہے تو

○...... وَیَسْتَغْنِیْ بِحُبِّہٖ عَنْ حُبِّ مَاسِوَا

اللہ رب العزت کی محبت کی وجہ سے، ما سوا کی محبت سے دل کو الگ کر لیتا ہے۔

○...... وَبِذِکْرِہٖ عَنْ ذِکْرِ مَا سِوَا

اللہ کے ذکر کی وجہ سے باقی ذکروں سے اپنے آپ کو الگ کر لیتا ہے۔

○...... وَبِخِدْمَتِہٖ عَنْ خِدْمَۃِ مَا سِوَا

اور اللہ تعالیٰ کی خدمت کی وجہ سے باقی تمام کاموں سے اپنے آپ کو فارغ کر لیتا ہے۔

ہروقت اللہ کے دین کے کام میں یہ بندہ آپ کو لگا نظر آئے گا۔

○......ایک اس کی علامت یہ بھی ہے کہ اگر اس کے وظائف اور اعمال فوت ہو جائیں تو اس بندے کو اس طرح افسوس اور دکھ ہوتا ہے جس طرح حریص آدمی کو اپنے مال کے ضائع ہونے پر دکھ ہوا کرتا ہے۔ تکبیرِ اولیٰ فوت ہو جائے تو دکھ ہوتا ہے، کوئی اور ورد وظیفہ رہ جائے تو دکھ ہوتا ہے، دل کو غم ہوتا ہے۔ جس طرح بھوکے پیاسے انسان کو روٹی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اسی طرح قلبِ سلیم رکھنے والے انسان کو عبادت کی طلب محسوس ہوتی ہے۔

○......ایک اس کی پہچان یہ کہ ایسا دل رکھنے والا انسان اپنے وقت کو اس طرح احتیاط سے خرچ کرتا ہے، جس طرح بخیل انسان اپنے مال کو احتیاط سے خرچ کرتا ہے۔

چنانچہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھے اللہ کی قسم اس وقت کے گزرنے پر بھی افسوس ہوتا ہے جو کھانے میں لگ جاتا ہے کہ اس وقت میں، میں کتابوں کا مطالعہ نہیں کر سکتا۔ یعنی جو کھانے میں پانچ منٹ لگتے تھے اس پر بھی ان کو افسوس ہوتا تھا کہ یہ میرا وقت مطالعے کے بغیر کیوں گزر گیا؟

مولانا یحیی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں خیال آیا کہ سردی کے موسم میں کبھی دھوپ میں بیٹھ کر گنا چوسیں گے تو فرصت کی انتظار میں رہے، سترہ سال گزر گئے ان کو گنا چوسنے کی فرصت نہ ملی۔

○......ایک ان کی علامت یہ ہوتی ہے کہ نماز میں داخل ہوتے ہی دنیا کے غم ختم اور دل کا سرور شروع ہو جاتا ہے۔ بس اللہ اکبر کہا، تو اللہ اکبر کہتے ہی دنیا کے جھگڑے ختم اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ وصل کی ایک نئی دنیا شروع ہو جاتی ہے۔ اس لیے ایسے لوگوں کو

نماز میں لطف ملتا ہے، یہ نماز سے انجوائے کرر ہے ہوتے ہیں۔

○ ...... عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جس بندے کا دل زندہ ہوتا ہے اس بندے کی پہچان یہ کہ اس کو عمل سے زیادہ عمل کی نیت کی فکر ہوا کرتی ہے کہ میں کس نیت سے عمل کرر ہا ہوں۔

○ ......اور ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ زندہ دل کی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا احسان مانتا ہے اور عبادتیں کر کے بھی یوں کہتا ہے:

مَا عَبَدْنٰكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ وَمَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ

''اے اللہ جیسی تیری عبادت کا حق تھا میں ادا نہیں کر سکا، جیسے تیری معرفت کو پانا چاہیے تھا میں پا نہیں سکا''

تو یہ زندہ قلب کی علامتیں ہوتی ہیں۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم کوشش کریں کہ ہمارے بیمار دل کا علاج ہو جائے اور ہمارا دل زندہ دل بن جائے۔

دل کے مزے:

ایک بات سمجھنے کی کوشش فرمائیں! انسان کے مختلف اعضا ہیں، ہر ایک ساتھ کچھ لذتیں وابستہ ہیں۔ کچھ لذتیں دیکھنے سے ملتی ہیں، انسان خوبصورت شخصیت کو دیکھے، لباس کو دیکھے، مکان کو دیکھے، سبزی کو دیکھے، پھول کو دیکھے، دل خوش ہو جاتا ہے۔ دیکھنے سے لذت ملتی ہے۔

...... کچھ لذتیں انسان کو کان کے ذریعے سے ملتی ہیں، جیسے کوئی اچھا قرآن پڑھے تو کانوں میں رس گھل جاتا ہے، دل میں سرور آ جاتا ہے، تو کانوں کے ذریعے بھی لذت ملتی ہے۔

...... ناک کے ذریعے سے بھی لذت ملتی ہے، مشک کی خوشبو کوئی بندہ سونگھے، کستوری

کی خوشبو کوئی سونگھے تو دل خوش ہو جاتا ہے۔

......زبان سے بھی مزے ملتے ہیں، مثلاً یہاں جب تراویح پڑھنے کے بعد کر آئسکریم ملتی ہے، تو نئی نئی فلیور دیکھ کر مزہ ہی آجاتا ہے۔ کل آئسکریم دیکھ کر ایک صاحب کہہ رہے تھے کہ دل چاہتا ہے کہ پورا سال ہی اعتکاف میں بیٹھے رہیں۔ تو کچھ مزے انسان کو زبان سے ملتے ہیں۔

......اسی طرح کچھ مزے انسان کی شرم گاہ سے وابستہ ہیں اور سب بالغ مرد لطف جانتے ہیں کہ وہ ایسے مزے ہیں کہ بسا اوقات وہ انسان کو بے بس کر دیتے ہیں۔

یہ تمام مزے ان اعضا کے مزے ہیں جو دل کے ماتحت ہیں۔ جب ماتحت اعضا سے ایسے مزے ملتے ہیں تو جو ان سب اعضا کا حاکم اور سردار انسان کا دل ہے، اس سے جو مزے ملیں گے وہ کتنے عظیم ہوں گے۔ اس لیے جس کو دل کے مزے ملنے شروع ہو جاتے ہیں، اس کے لیے دنیا کے مزے بے رونق ہو جاتے ہیں۔ یہ زلفِ فتنہ گر پھر اللہ والوں کی نظر میں دمِ خر بن جاتی ہے۔ بس مسئلہ یہ ہے کہ ابھی ہمیں وہ مزے ملنے نہیں شروع ہوئے ؎

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

یہ آشنائی کی لذت بھی بڑی عجیب ہے، بس ذرا ایک مرتبہ دل کے مزے ملنے شروع ہو جائیں، ذکرِ قلبی کے مزے شروع ہو جائیں پھر انسان دنیا کی لذتوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔

خلاصۂ کلام:

تو قلب کی تین قسمیں مردہ دل، بیمار دل اور زندہ دل۔ اب اسی عنوان کو ذرا

آگے بھی چلائیں گے کہ دل پر ظلمت کن وجوہ سے آتی ہے؟ دل بیمار کس وجہ سے ہوتا ہے؟ اس کا علاج کیا ہے؟ تاکہ یہاں ہمارے مل بیٹھنے کا ٹھوس فائدہ ہو۔ تاکہ ہم ایسا دل بنانے کے لیے ہم کچھ اعمال کر سکیں، کچھ محنت کر سکیں تاکہ کل قیامت کے دن اللہ رب العزت کے سامنے اس دل کو پیش کر سکیں۔ جب قرآن مجید میں فرما دیا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کسی اور چیز کو نہیں دیکھے گا، فقط دل کو دیکھے گا، فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلَا اِلٰی اَمْوَالِکُمْ))

''اللہ تعالیٰ نہیں دیکھتا تمہاری شکلوں کو اور تمہارے اموال کو''

وہ تمہاری ظاہری خوبصورتی اور مال پیسے کو نہیں دیکھتا۔

((وَلٰکِنْ یَّنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَ اَعْمَالِکُمْ)) (صحیح مسلم: رقم ۴۶۵۱)

''وہ دیکھتا ہے تمہارے دلوں کو اور تمہارے اعمال کو''

تو جیسے دفتروں میں باس یا افسر نے جس چیز کو دیکھنا ہوتا ہے تو اس کو ذرا سجا کر پیش کرتے ہیں۔ کوئی فائل دیکھنی ہو تو فائل کو بھی ذرا ٹھیک ٹھاک کر کے پیش کرتے ہیں۔ تو جب قیامت کے دن اللہ نے ہے ہی ہمارے دل کو دیکھنا تو آج ہمیں چاہیے کہ آج ہم اس چیز کو صاف کرنے کی محنت کر لیں تاکہ قیامت کے دن ہماری نجات ہو جائے، اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری قبولیت ہو جائے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قلبِ سلیم عطا فرمائے۔

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

﴿فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾
(البقرۃ:۱۰)

قلبِ سقیم

بیان: محبوب العلماوالصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 7 نومبر 2004ء ۲۴ شب رمضان ۱۴۲۵ھ

مقام: نور مسجد لوساکا زیمبیا (افریقہ)

موقع: خصوصی مجالس برائے اعتکاف

اقتباس

چار ایسی چیزیں ہیں جو انسان کے دل کے لیے زہر کی مانند ہیں، ہر گناہ کا وبال ہوتا ہے مگر ان کا وبال بہت ہی زیادہ ہے۔ ان کو سموم القلب یعنی دل کا زہر کہتے ہیں۔ ان میں مبتلا ہونے سے انسان کا دل مردہ ہو جاتا ہے اور ان کے چھوڑنے سے انسان کا دل زندہ ہو جاتا ہے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

قلبِ سقیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾ (البقرة:۱۰)

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ مَقَامٍ آخَر

﴿وَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ﴾ (الاحزاب:۳۲)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

آج کا موضوع:

گزشتہ روز قلب کی اقسام کے بارے میں گفتگو ہوئی کہ ایک مردہ دل ہوتا ہے ''قلب میت'' دوسرا ''قلب مریض'' ہوتا ہے۔ جس کے اندر بیماری ہوتی ہے ان دونوں کو آپ قلب سقیم کہہ سکتے ہیں اور ایک قلب سلیم ہوتا ہے، سلامت دل، صحیح دل۔ یہ قلب سقیم کیوں ہوتا ہے؟ اس کی مختلف وجوہات ہیں آج کی گفتگو کا عنوان یہ ہے۔

دل مریض کیسے بنتا ہے؟

ہمارے دو دشمن ہیں، ایک اندورنی دشمن اور ایک بیرونی دشمن۔

بیرونی دشمن کا نام شیطان

اور اندرونی دشمن کا نام نفس ہے۔

یہ دونوں مل کر انسان سے گناہ کرواتے ہیں اور ان گناہوں کی وجہ سے انسان کا دل مریض ہوتا ہے۔

نفس وشیطان کے حملوں میں فرق:

ان دونوں کے حملے کا انداز مختلف ہے۔

شیطان انسان کو کسی ایک گناہ کا خیال ڈالتا ہے، اگر بندہ وہ گناہ کرے تو ٹھیک ہے، اگر نہیں کرتا تو پھر دوسرے گناہ کا خیال ڈال دیتا ہے۔ اگر وہ بھی نہ کرے تو پھر تیسرے گناہ کا خیال ڈال دیتا ہے۔ یعنی وہ چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی گناہ میں یہ پھنس جائے۔ نفس کا معاملہ اور ہے۔ اس کی مثال ضدی بچوں کی سی ہے، اس کے اندر انانیت اور ہٹ دھرمی ہے۔ اس کے اندر جو کسی گناہ کی خواہش پیدا ہوتی تو وہ ڈٹ جاتا ہے کہ میں نے یہی کرنا ہے تو یہیں سے فرق ہو جاتا ہے۔ اگر کسی انسان کے دل میں کسی گناہ کا خیال آئے اور اس گناہ سے بچنے پر کسی دوسرے گناہ کا خیال آجائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ وسوسہ شیطان کی طرف سے ہے اور اگر اسی ایک ہی گناہ کا خیال بار بار دل میں سما رہا ہو تو سمجھ لیں کہ یہ میرے نفس کی شرارت ہے۔

عام طور پر شیطان کے جو وساوس ہوتے ہیں وہ شبہات سے تعلق رکھتے ہیں، یعنی شیطان کے جو حملے ہیں، ان کا تعلق شبہات سے زیادہ ہے اور نفس کے حملوں کا تعلق شہوات سے زیادہ ہے۔ شیطان انسان کے ذہن میں شبہ ڈالتا ہے، وضو ہے یا نہیں، اب جب بندے کے اندر یقین ہی نہیں، تو وہ عبادت کیا کرے گا۔ پتہ نہیں میری نماز ہوئی یا نہیں، یہ شک اور وہم کی بیماری یہ انتہائی خطرناک ہے۔ آپ نے

دیکھا کچھ لوگوں کو، بار بار وضو کرتے ہیں، ان کی تسلی نہیں ہوتی کہ طہارت ہوئی یا نہیں۔ میری نماز کی ادائیگی ہوئی یا نہیں ہوئی، وہ شیطان ہوتا ہے جو ان کو اس طرح سے شک میں ڈالتا ہے۔

ایسا خیال ڈالے گا کہ سنت کو ہلکا کر کے پیش کرے گا، کہے گا سنت ہی تو ہے، فرض واجب تو نہیں اور بدعت کو خوبصورت بنا کر پیش کرے گا، تو بندہ اس پر عمل کر کے کہے گا: جی اس میں حرج ہی کیا ہے؟ تو اس کو بدعت میں کوئی حرج نظر نہیں آئے گا اور سنت ضروری نظر نہیں آئے گی۔ یہ شبہات سے تعلق رکھنے والے گناہ ہیں اور شیطان یہ کام کروائے گا، حتیٰ کہ یہ شبہات بڑھتے بڑھتے بسا اوقات انسان کو اپنے ایمان کے بارے میں بھی شک ہو جاتا ہے۔ پھر اس کے ذہن میں رسالت کے بارے میں وسوسے آنے شروع ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں وسوسے آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ کتنے دوست آ کر اپنی حالت بیان کرتے ہیں کہ جی اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہمارے ذہن میں الٹے سیدھے سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ شیطان ہوتا ہے جو ان کو اکھاڑنا چاہتا ہے کہ وہ ایمان کے اوپر پکے اور مضبوط ہیں تو وہ اکھڑ جائیں۔ ان کی چولیں ڈھیلی ہو جائیں، ان کے پیچ ڈھیلے ہو جائیں۔

نفس انسان کے اندر شہوات کے ذریعے سے حملہ آور ہوتا ہے، شہوت کا لفظ اشتہا سے ہے، کھانے پینے کی اشتہا، اچھے کپڑے پہننے کی اشتہا، جنسِ مخالف کے ساتھ ملاپ کی اشتہا یا دنیا میں کوئی عہدہ حاصل کرنے کی اشتہا، تو وہ اشتہا کے راستے سے انسان پر حملہ کرتا ہے۔

شیطان کئی مرتبہ ایسے ایسے وسوسے ڈالتا ہے، کیونکہ شبہات سے کام لیتا ہے

کیونکہ تیرے کاروبار میں نقصان ہوا تو لگتا ہے کسی نے کچھ کر دیا ہے۔ کیا دنیا میں ہر ایک کو نفع ہی ہوتا ہے؟ نقصان کسی کو نہیں ہوتا؟ بھئی! یوں تو نفع نقصان کی زندگی ہے اور چلتی رہتی ہے، بیٹی کا رشتہ نہیں آرہا، یا آتا ہے پورا نہیں ہوتا۔ لگتا ہے جی کسی نے میری بیٹی کا رشتہ باندھ دیا۔ اب اس کو عاملوں کے پاس لے جائے گا، کالے علم والوں کے پاس لے جائے گا، تاکہ ایمان ہی ان کے دلوں سے نکل جائے۔ تو شیطان شبہات کے راستے سے انسان سے ایمان کو لوٹنا چاہتا ہے، انسان کو ایمان کی دولت سے محروم کر دینا چاہتا ہے اور نفس شہوات کے ذریعے سے اپنے مزے اڑانا چاہتا ہے۔

نفس جو ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ بس مزے اڑاؤ۔ انسان گناہ بھی کر رہا ہوتا ہے اور اپنے آپ کو جسٹی فائی بھی کر رہا ہوتا ہے۔ چنانچہ دو بندوں کے درمیان نفسانی شیطانی شہوانی محبتیں ہوتی ہیں اور وہ ایک دوسرے کو دلاسا بھی دے رہے ہوتے ہیں کہ جی لوگوں کی محبتیں گندی ہوتی ہیں، ہماری محبت پاکیزہ ہے اور ہوتے وہ غیر محرم ہیں۔ تو گناہ کو مزین کر کے پیش کرنا یہ شیطان کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔

﴿وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِيْنَ﴾ (حم سجدہ:۲۵)

’’ہم نے شیطانوں کو ان کا ہم نشین مقرر کر دیا اور انہوں ان کو ان کے اگلے اور پچھلے اعمال مزین کر دکھائے اور جن وانس کی جو جماعتیں پہلے گزر چکیں ان پر بھی اللہ کا وعدہ پورا ہوا، بے شک یہ نقصان اٹھانے والے ہیں‘‘

اس لیے یہ بئس القرین ہے، بہت برا ساتھی ہے۔

دل کے چار زہر (سموم القلب)

چار ایسی چیزیں ہیں جو انسان کے دل کے لیے زہر کی مانند ہیں، ہر گناہ کا وبال ہوتا ہے مگر ان کا وبال بہت ہی زیادہ ہے۔ ان کو سموم القلب یعنی دل کا زہر کہتے ہیں۔ ان میں مبتلا ہونے سے انسان کا دل مردہ ہو جاتا ہے اور ان کے چھوڑنے سے انسان کا دل زندہ ہو جاتا ہے۔

پہلا زہر

فضول گوئی

جن چیزوں سے قلب مردہ یا بیمار ہوتا ہے۔ ان میں سب پہلی چیز فرمایا:

فضول الکلام

فضول بولنا، فالتو گفتگو کرنا ہے۔

یہ بہت ہی خطرناک اور مہلک گناہ ہے۔ جب کہ ہم اس کو گناہ ہی نہیں سمجھتے، ہر وقت ٹرٹر لگائے رکھتے ہیں اور اس کی وجہ سے کیے ہوئے عملوں کو بسا اوقات ضائع کر دیتے ہیں۔ جتنی زبان زیادہ چلے گی اتنی انسان غلطیاں زیادہ کرے گا۔ تو اس راستے سے شیطان حملہ آور ہوتا ہے، خوب باتیں کرواتا ہے۔ کچھ لوگوں کو تو باتوں کا چسکا ہوتا ہے۔ اگر تو خیر کی بات ہو، دین کی بات ہو، دعوت کی بات ہو وہ تو پھر نور ہے لیکن اگر بس تذکرۂ حالات ہو، تو بسا اوقات وہ سراسر غیبت ہوتی ہے۔ کبھی کسی آدمی کی غیبت، کبھی کسی عورت کی غیبت، کبھی کسی شہر والوں کی غیبت اور کبھی اربابِ اقتدار کی غیبت۔ تو گفتگو میں کہیں نہ کہیں غیبت چلتی ہے، جو کبیرہ گناہ ہے۔ اس لیے ہمارے

اکابر گفتگو میں بہت احتیاط فرماتے تھے۔

امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خاموش رہنے کی عادت:

امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا علم دیا تھا کہ سمندر کی مانند ان کے پاس علم تھا۔ لیکن عادتاً وہ خاموش رہتے تھے، محفل میں لوگ بیٹھے ہیں، تب بھی خاموش رہتے۔ ہاں جب ان سے کوئی سوال پوچھتا تھا تو پھر وہ جو بات شروع کرتے تھے تو ذرا چھیڑ یے، پھر تو بولتے ہی چلے جاتے تھے۔

ہمارے اکابر کی گفتگو جواب ہوا کرتی تھی کیونکہ وہ جواب دینے میں شرعاً پابند ہیں، عالم اس بات میں شرعاً پابند ہے کہ اس سے کوئی آدمی سوال پوچھے تو وہ جواب دے، اگر نہیں دے گا تو علم کو چھپانے والا ہوگا، تو یہ بھی گناہ ہے۔ کیونکہ وہ شرعاً مامور تھے، جواب دینے پر اس لیے بات کر لیتے تھے۔

سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خاموشی:

ہم نے اپنے مشائخ کو دیکھا اس عاجز کے شیخ اوّل حضرت سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے فقیہ تھے۔ ان کے پاس ہم لوگ بعض اوقات ایک ایک گھنٹہ بیٹھے رہتے، اس دوران ہم بھی خاموش اور وہ بھی خاموش، ایک گھنٹہ کوئی گفتگو نہیں...... اور جہاں کسی نے کوئی سوال پوچھا، اب جتنا بھی نماز ہونے تک وقت ہوتا، ایک گھنٹہ دو گھنٹے اس میں وہ جواب ہی چلتا چلا جاتا۔ ایک مرتبہ ہمارے ایک ساتھی نے ان سے ایک سوال پوچھ لیا کہ جی اذانِ جوک کا مسئلہ کیا ہے؟ آج کل تو ساونڈ سسٹم ہے، ایک ہی جگہ اذان دیں تو ہر جگہ پہنچ جاتی ہے پہلے وقتوں میں تو بڑی مسجدیں ہوتی تھیں ان میں تو ایک بندے کی آواز پہنچتی ہی نہیں تھی۔ تو طریقہ یہ تھا کہ وقت

متعین پر کئی موذن ہوتے تھے۔ تو کوئی اس منارے پر، کوئی اُس منارے پر، کوئی ادھر کوئی ادھر اور سب مل کر اذان دیتے تھے۔ اس کو اذانِ جوک کہا جاتا ہے۔ ہم سمجھتے تھے کہ اس کا جواب دو منٹ کی بات ہو گی، اس بات پر ہم حیران ہوئے کہ انہوں ڈیڑھ گھنٹہ اذان جوک کے مسائل کی جزئیات ہمیں سنائیں۔ تو مزہ تو اس خاموشی کا ہے کہ ایسا علم ہو اور پھر بندہ خاموش رہے۔

کہہ رہا ہے شورِ دریا سے سمندر کا سکوت
جتنا جس کا ظرف ہے اتنا وہ خاموش ہے

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان:

چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

لَاتُكْثِرُ كَلَامًا بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ فَإِنَّ كَثْرَةَ الْكَلَامِ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ قَسْوَةٌ لِلْقَلْبِ وَ إِنَّ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللّٰهِ قَلْبُ الْكَافِرِيْنَ

''تم زیادہ باتیں مت کرو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے علاوہ، بے شک اللہ کے ذکر کے بغیر کلام کی کثرت دل کی سختی کا باعث ہے۔''

یعنی وہ بات جو دین کی ہو وہ تو سارا دن ساری رات کرو، جیسے نوح علیہ السلام نے کہا:

﴿رَبِّ إِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّ نَهَارًا﴾ (نوح:۵)

''اے اللہ! میں نے اپنی قوم کو دن اور رات میں اللہ کی طرف بلایا۔''

یہاں جس کلام سے روکا وہ دنیا کا کلام ہے۔ جیسے ہم ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھتے ہیں، تو پوچھتے ہیں سناؤ کیا حالات ہیں؟ یہ اس قسم کی باتیں، تو فرماتے ہیں کہ ذکر اللہ کے بغیر کلام کی کثرت کرنا، یہ دل کے سخت ہونے کی علامت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ دور وہ انسان ہوتا ہے جس کا دل سخت ہوا کرتا ہے۔

زبان......جہنم یا جنت تک پہنچا دینے والی:

عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جس بندے کا کلام زیادہ ہوگا اس بندے کی لغزشیں زیادہ ہوں گی۔

وَ مَنْ كَثُرَ ذُنُوبُهُ كَانَ فِي النَّارِ اَوْلٰى بِهٖ

اور جس کے گناہ زیادہ ہوں گے تو پھر آگ اس کے لیے زیادہ بہتر ٹھکانہ ہے

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ انسان دو وجہ سے جہنم میں زیادہ جائیں گے ۔

اَلْفَمُّ وَالْفَرَجُ

ایک منہ (زبان) کی وجہ سے، اور ایک اپنی شرم گاہ کی وجہ سے۔

زبان کا غلط استعمال اور شرم گاہ کا غلط استعمال یہ زیادہ جہنم میں جانے کا سبب ہے۔اس لیے ایک حدیث پاک میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''جو آدمی مجھے اپنی زبان اور اپنی شرم گاہ کے صحیح استعمال کی ضمانت دے دے میں اس شخص کو جنت میں جانے کی ضمانت دیتا ہوں۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ))

''جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ خیر کی بات کہے ورنہ خاموش رہے''

اسی لیے عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن دیکھا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی زبان کو پکڑ کر کھینچتے تھے۔انہوں کہا: امیر المومنین! کیا کر رہے ہیں؟ فرمایا: یہی زبان ہی تو ہے جو انسان کو فتنوں میں ڈالنے کا سبب بنتی ہے۔

ہمارے مشائخ نے کہا:

جُرْمُهٗ صَغِيْرٌ وَ جُرْمُهٗ كَبِيْرٌ

''اس کا سائز چھوٹا ہوتا ہے لیکن اس سے ہونے والا گناہ بڑا موٹا ہوتا ہے''

فضول گوئی اللہ تعالیٰ کے اعراض کا نتیجہ ہوتی ہے:

چنانچہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

مِنْ عَلَامَةِ اِعْرَاضِ اللّٰهِ تَعَالٰى مِنَ الْحَقِّ اَنْ يَّجْعَلَ شُغْلَهٗ فِيْمَا لَا يَعْنِيْهِ

''بندے کے اللہ تعالیٰ سے اعرض کرنے کی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو فضول کلامی میں لگا دیتے ہیں''

تو جس بندے کو آپ فضول کلامی کے اندر لگا دیکھیں، آپ سمجھیں لیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے اعراض کرلیا ہے۔ اس لیے غیبت زبان سے، چغل خوری زبان سے، جھوٹ زبان سے، فحش کلامی زبان سے، گالی گلوچ زبان سے، مذاق تمسخر اڑانا زبان سے ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں منع کیا:

﴿لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ﴾ (الحجرات)

''کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے ہوسکتا ہے وہ ان سے بہتر ہو''

اور بعض لوگوں کو لطیفوں کے چسکے، لطیفے سنائے جارہے ہیں، جتنا انسان زیادہ ہنستا ہے اتنا ہی انسان کا دل جلدی مردہ ہوجاتا ہے۔

زبان کے الفاظ کی اہمیت:

انسان کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ آپ خود غور کریں کہ جب میاں بیوی کا نکاح ہوتا ہے تو کوئی ورزش تو نہیں کرنی

پڑتی، نہ سر کے اوپر کوئی بوجھ اٹھانا پڑتا ہے، ایک غیر محرم عورت جس کی طرف دیکھنا بھی حرام تھا، وہ کیسے حلال ہوگئی؟ زبان سے کہا: قَبِلْتُ میں نے اس کو قبول کرلیا۔ تو فقط زبان کے ایک لفظ قَبِلْتُ کے ذریعے وہ جو پرائی لڑکی تھی وہ اپنی بن گئی، بلکہ تمام اپنوں سے بھی بڑی اپنی بن گئی۔ تو ایک لفظ کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنا مقام ہے؟ اور وہی جو زندگی کی ساتھی تھی، یہ بچوں کی ماں تھی، یہ شریکِ حیات تھی، اسی کو ایک بندے نے کہا طَلَّقْتُ تجھے میں نے طلاق دی تو پھر وہ پرائی ہوگئی۔ تو ایک لفظ سے وہ اپنی بن گئی اور ایک لفظ سے پرائی بن گئی۔

مومن کی زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کا اللہ کے ہاں کتنا بڑا مقام ہے۔ اسی لیے کسی بندے نے سو سال کفر و شرک میں گزارے ہوں اور وہ آکر کلمہ پڑھ لے تو فقط کلمہ کے پڑھ لینے پر اس کے سو سال کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں۔ کلمہ پڑھنے کے علاوہ تو کچھ نہیں پڑھتا، علما یہ تو نہیں بتاتے کہ یہ کافر اور مشرک اسلام میں آنے کے لیے اتنی مرتبہ یہ عمل کرے اور اتنے مرتبہ وہ عمل کرے۔ کچھ نہیں کرنا پڑتا، فقط زبان سے کلمہ پڑھ کر اقرار کرلے اللہ تعالیٰ زبان کے الفاظ پر سو سال کی زندگی کے گناہوں معاف فرما دے گا۔ تو مومن کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ اللہ کے ہاں اتنی اہمیت رکھتے ہیں۔ ہم بے پرواہ ہوجاتے ہیں اور زبان سے پتہ نہیں کیا کیا نکالتے رہتے ہیں۔

چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ ایک آدمی نیک عمل کرتے کرتے جنت کے بالکل قریب پہنچ جاتا ہے، زبان سے ایک ایسا برا لفظ کہہ دیتا ہے کہ جنت سے ستر سال کی مسافت وہ دور پھینک دیا جاتا ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے زبان کو دانتوں کی دیواروں کے اندر بند کر دیا جو قیمتی چیز

ہوتی ہے اسے بند کر کے رکھتے ہیں۔ مال و دولت ہو تو اس کو سنبھال کر رکھتے ہیں، عورتوں کے پاس جیولری ہو تو اس کو بند کر کے رکھتی ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس اہم عضو کو دانتوں کے اندر بند کر دیا، بلکہ پہلے ہونٹوں سے بند کیا، پھر دانتوں سے بند کیا، (Double Core) دوہرے پردے میں رکھا، تاکہ انسان اس کو استعمال کرنے سے پہلے سوچے کہ کہیں یہ الفاظ مجھے اللہ رب العزت سے دور نہ کر دیں۔

مشائخ کی کلام میں احتیاط:

اس لیے ہمارے مشائخ نے اپنی زبان کو بہت سوچ سمجھ کر استعمال کیا۔ عام آدمی محفل میں بیٹھا ہوا سوچے گا کہ جی میں تو بڑی محتاط گفتگو کرتا ہوں، لیکن گھر میں ذرا غصے میں آئے تو پھر دیکھو اس کی باتیں کیا ہوتی ہیں؟ بیوی کو کیا کیا لفظ بولتا ہے۔ کسی بھائی کے ساتھ غصے میں آجائے تو آپ دیکھیں کہ پھر کیا کیا الفاظ زبان سے نکلتے ہیں؟ تو زبان کے استعمال کا پتہ ہی غصے کی حالت میں لگتا ہے۔ اللہ والے کسی حال میں بھی اپنی زبان کو غلط استعمال نہیں کرتے تھے۔ بلکہ عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا: اَلْمَرْاَۃُ مُتَکَلِّمَۃٌ بِالْقُرْاٰنِ (وہ ایک عورت جو قرآن کی آیات کے ذریعے سے گفتگو کرتی تھی)۔

ہم نے اس عورت کو تو نہیں دیکھا لیکن ہم نے اپنے پیر و مرشد حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ اپنی محفل میں اکثر و بیشتر سوالات یا باتوں کے جوابات قرآن پاک کی آیات سے دیتے تھے۔ ہمارا اندازہ یہ ہے کہ ان کی گفتگو کی آیات کو جمع کیا جاتا تو دو سے تین پاروں کی تلاوت تو گفتگو میں ہو جاتی تھی، اتنا قرآن پڑھتے تھے۔

اور اس کے بالمقابل ہم لوگوں کو سمجھ ہی نہیں لگتی کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں؟ بلکہ اگر

کوئی احساس دلائے کہ یار آپ نے یہ بات کیسی کی؟ آگے سے کہتے ہیں کہ میں نے تو کچھ نہیں کہا۔ تو زبان ایسی بے لگام ہو کر چلتی ہے کہ خود کو بھی نہیں پتہ ہوتا کہ منہ سے کیا نکل رہا ہے؟ کسی بزرگ نے کہا:

کہے ایک جب سن لے انسان دو
خدا نے زبان ایک دی اور کان دو

اللہ تعالیٰ نے دو کان دیے تو دو باتیں سننے کے بعد ایک زبان سے ایک بات کی جائے۔

ایک بچی کی نصیحت:

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھے ایک بچی نے نصیحت کی جو مجھے بھولتی نہیں ہے۔ کسی نے پوچھا: حضرت! وہ کیا؟ فرماتے ہیں کہ بارش کی وجہ سے پھسلن تھی تو میں مسجد کی طرف جا رہا تھا، سامنے سے ایک بچی دکان سے سودا خرید کر اپنے گھر کی طرف جا رہی تھی، آٹھ نو سال کی بچی تھی، کہتے ہیں کہ جب وہ میرے ذرا قریب ہوئی تو میں نے ذرا شفقت کی بنا پر اس کو کہا کہ بچی! ذرا سنبھل کر چلنا کہیں پھسل نہ جانا! تو بچی آگے سے کہنے لگی کہ حضرت! میں پھسل گئی تو میں گروں گی اور میرا نقصان ہوگا، آپ سنبھل کر چلیے گا کہ آپ پھسل گئے تو قوم کا کیا بنے گا؟ تو جو امام ہوں، دین کے داعی ہوں، ذکر اذکار کرنے والے لوگ ہوں ان لوگوں کو تو بہت محتاط زندگی گزارنی چاہیے۔ اس لیے کہ ان کی چھوٹی سی لغزش پر کتنی دور تک اس کے اثرات پڑتے ہیں۔

گفتگو شخصیت کا پتہ دیتی ہے:

جس طرح طبیب حضرات زبان کو دیکھتے ہیں تو ان کو بیماری کا پتہ چل جاتا ہے،

ہمارے ہاں جو حکمت کا علاج ہے، اس میں اکثر و بیشتر مریض آتا ہے تو حکیم کہتا ہے کہ زبان دکھاؤ! تو زبان دیکھ کر اس کو بیماری کا پتہ چل جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح مشائخ جب کسی بندے کی گفتگو سنتے ہیں، ان کو اس کی روحانی بیماری کا پتہ چل جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''آدمی اپنی زبان کے پیچھے چھپا ہوتا ہے''

اسی لیے بزرگ فرماتے تھے۔ ذرا تم بولو کہ پہچانے جاؤ!

خاموشی کا فیض:

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ بہت کم بولتے تھے، اکثر خاموش رہتے تھے، کسی خادم نے ان سے کہا کہ حضرت! آپ کچھ نصیحت کیا کریں، لوگوں کو فائدہ ہوتا ہے۔

﴿ وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (الذاریات:۵۵)

حضرت کو تو خاموش رہنے کی عادت تھی لیکن ادھر سے اصرار تھا کہ حضرت! آپ کچھ گفتگو کریں لوگوں کو فائدہ ہو۔ تو حضرت نے آگے سے عجیب جواب دیا، فرمایا:

''جس نے ہماری خاموشی سے کچھ نہیں پایا وہ ہماری باتوں سے بھی کچھ نہیں پائے گا''

زبان ہو دل کی رفیق:

انسان اگر زبان سے بولے تو ہمیشہ سچ بولے، تصوف کی دنیا میں یہ دو چیزیں بڑی اہم ہیں، ایک رزق حلال اور ایک صدق مقال۔ یہ دو چیزیں جب بندے نے حاصل کر لیں تو یہ دو پر ہیں، ان دو پروں کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ کی طرف پرواز کرتا چلا جائے گا۔ رزقِ حلال اور صدقِ مقال یعنی بات چیت میں سچ بولنا اور رزق

حلال کمانا۔

ہزار خوف ہوں لیکن زبان ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

ایک ہندی کا شعر ہے:

رام رام جپدیاں میری جیبا گھس گئی
رام نہ دل وچ وسیا اے کی دھاڑ پئی

یعنی رام رام، (اللہ، اللہ) کرتے کرتے میری زبان ہی گھس گئی اور رام دل میں نہیں بسا، یہ کیا مصیبت بن گئی!

گل وچ مالا کاٹھ دی تے منکے لے پرو
دل وچ گھنڈی پاپ دی رام جپیاں کی ہو

تم نے گلے میں تو منکے ڈال لیے لیکن تمہارے دل میں جب گناہ کی گھنڈی موجود ہے تو اب رام جپنے سے کیا بنے گا؟

تو ہماری محنتوں کا اثر اس لیے ظاہر نہیں ہوتا کہ کچھ گناہ ایسے ہوتے ہیں جن کو ہم نہیں چھوڑتے، جیسے مجنوں کو باپ نے کہا تھا کہ توبہ کرو تو اس نے کہا:

اِلٰهِی تُبْتُ مِنْ كُلِّ الْمَعَاصِیْ
وَلٰكِنْ حُبَّ لَيْلٰى لَا اَتُوْبُ

''اللہ ہر گناہ سے توبہ کرتا ہوں لیکن لیلیٰ کی محبت سے توبہ نہیں کرتا''

اور آج کل کے نوجوان، دیکھیں کہ یہ بھی توبہ کرتے ہیں لیکن لیلیٰ سے توبہ نہیں کرتے، ہر ایک کی لیلیٰ مختلف ہوتی ہے۔

دوسرا زہر

فضول نظری

دوسری چیز جو دل پر اثر انداز ہوتی ہے، فرمایا:

فضول النظر بدنظری

یہ بھی دل کے لیے زہرِ قاتل کی طرح ہے۔ یہ مین دروازہ ہے جس کے ذریعے سے انسان کے قلب میں ظلمت داخل ہوتی ہے۔ اس لیے نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((اَلنَّظْرُ سَهْمٌ مَسْمُوْمٌ مِنْ سِهَامِ اِبْلِيْسَ))

''نظر تو شیطان کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہوتا ہے''

مَنْ غَضَّ بَصَرَهٗ لِلّٰهِ اَوْرَثَهٗ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ يَجِبُهَا فِيْ قَلْبِهٖ اِلٰى يَوْمٍ يَلْقٰى

''جس نے اللہ کے لیے اپنی نگاہوں کو نیچا کر دیا اللہ تعالیٰ اس کو حلاوتِ ایمان عطا کرتا ہے جس کو وہ اس دن تک محفوظ کرتا ہے جس دن وہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا''

تو آنکھوں کے کنٹرول سے انسان کو عبادت میں لذت ملتی ہے۔ جو احباب کہتے ہیں کہ نماز میں دھیان ہی نہیں جمتا، اِدھر اُدھر کے وساوس آتے ہیں، اِدھر اُدھر کے خیال آتے ہیں تو وہ ان باتوں پر غور فرمائیں، اپنی نگاہوں کو کنٹرول کرنے کی کوشش کریں، اللہ رب العزت اس کے بدلے عبادت کی حلاوت عطا فرمائیں گے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ﴾

''ایمان والوں کو کہہ دیجیے! اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنی ناموس کی حفاظت کریں۔''

تو یہاں مفسرین نے لکھا کہ نگاہوں کی حفاظت ابتدا اور شرم گاہ کی حفاظت انتہا ہے۔ نگاہوں کے بے احتیاطی سے کام شروع ہوتا ہے اور عزت و ناموس کے ختم ہونے پر جا کر رکتا ہے۔

آنکھ پر قابو میں دل کا قابو ہے:

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''آنکھ دیکھتی ہے اور دل طلب کرتا ہے اور شرم گاہ اس کی تصدیق کر دیتی ہے''

دوسرے الفاظ میں یوں سمجھیں جس کا آنکھ پر قابو نہیں اس کا دل پر قابو نہیں اور جس کا دل پر قابو نہیں اس کا شرم گاہ پہ قابو نہیں۔ تو اس لیے اس کو پہلے قدم پر ہی روکنا چاہیے۔ انسان آنکھ ہی اِدھر اُدھر نہ اٹھائے۔

نورِ فراست کی نعمت:

ہمارے بزرگوں نے کہا کہ

مَنْ عَمَّرَ ظَاهِرَهٗ بِاِتِّبَاعِ السُّنَّةِ

جس نے اپنے ظاہر کو نبی علیہ السلام کی سنت سے آباد کر لیا۔

وَ بَاطِنَهٗ بِدَوَامِ الْمُرَاقِبَةِ

اور باطن کو اللہ تعالیٰ کی یاداشت کے ساتھ مزین کر دیا۔

وَغَضَّ بَصَرَهٗ مِنَ الْمَحَارِمِ

اور اس نے غیر محرم سے اپنی آنکھوں کو بند کر دیا۔

وَ كَفَّ نَفْسَهٗ عَنِ الشُّبُهَاتِ

اور اس نے اپنے جی کو شبہات سے روک لیا۔

وَاِذْ قَضٰی بِالْحَلَالِ

اور اس نے حلال غذا کو استعمال فرمایا:

لَمْ تُخْطِ لَهٗ فِرَاسَتًا

اس کی فراست کبھی خطا نہیں ہوا کرتی۔

یعنی اس کو اللہ تعالیٰ ایسا نور فراست عطا فرماتا ہے کہ اس کی فراست اس کو دھوکا نہیں دیتی۔ تو ہمیں چاہیے کہ ہم بھی یہ تمام صفتیں اپنے اندر پیدا کریں۔ یہ نور فراست ایک عجیب نعمت ہے! اس سے انسان کو پتہ چل جاتا ہے حق اور باطل کا، نفع اور نقصان دینے والی چیز کا، یہ ایک نور ہوتا ہے بندے کے اندر جس سے اس کو پتہ چل جاتا ہے۔

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا نورِ فراست:

چنانچہ مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کوئی عالم میرے پاس آئے اور چالیس دن وہ غذا کھائے جو میں کہوں اور چالیس دن کے اندر اس کا دل بیدار نہ ہو تو میرا نام بدل دینا۔ وہ لوگوں کو بتا دیتے تھے کہ فلاں دکان پر جو فلاں پھل پڑا ہے ناوہ حلال ہے یا حرام۔ وہ فرماتے تھے کہ میرے سامنے کھانے کی چیزیں آتی ہیں تو ایسے جیسے کوئی بول کے بتا دیتا ہے ان چیزوں کی کیفیت مجھے بتا دیتی ہے کہ ہم حرام طریقے سے آئی ہیں یا حلال طریقے سے۔

علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اکابر جب کوئی چیز خریدا کرتے تو سات ہاتھ تک دیکھا کرتے تھے کہ اس کی بیع حلال طریقے سے ہوئی کہ نہیں۔ اب فرماتے ہیں کہ کمزوری کا وقت آ گیا اب ہم ایک ہاتھ تک بیع دیکھتے ہیں کہ ٹھیک ہے یا نہیں، ہمیں تو پتہ نہیں چلتا وہ نور فراست نہیں ہوتا۔

حضرت مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کا نورِ فراست:

حضرت مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ ان کے پاس ایک آدمی انگور لے کر آیا، حضرت! کھائیے، حضرت نے انگور توڑا منہ کے قریب لائے اور پھر رکھ دیا، اس نے کہا: کھائیں حضرت! مزے دار ہیں، اچھے ہیں، انہوں کہا کہ میں نہیں کھا سکتا۔ اس لیے کہ ان انگوروں سے مردوں کی بو آرہی ہے۔ وہ بڑا حیران، حضرت! میں تو ایک بندے سے خرید کر لایا ہوں اور وہ بڑا نیک آدمی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس بات سے انکار تو نہیں کر رہا کہ تو خرید کر نہیں لایا، یا وہ نیک بندہ نہیں ہے، میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ مجھے ان میں سے مردوں کی بو آرہی ہے، چنانچہ وہ تحقیق کرنے کے لیے چلا۔ جس بندے سے خریدا اس سے پوچھا کہ بھئی! تجھے یہ انگور کہاں سے ملے؟ اس نے کہا کہ مجھے فلاں بندے نے آکر بیچے ہیں۔ جب جا کر اس بندے کو دیکھا تو اس نے قبرستان میں انگور کی بیلیں اگائی ہوئی تھی۔ تو قبرستان میں انگور کی بیل اگی اور وہ انگور حضرت کے پاس آئے تو فرماتے ہیں کہ مجھے یہاں سے مردوں کی بو آتی ہے، یہ نورِ فراست ہے۔

حضرت عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولیت:

اس عاجز کے سسر محترم حضرت عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اللہ رب العزت نے ایسا ہی نورِ فراست عطا فرمایا تھا، عجیب شخصیت تھے۔ اسی لیے ان کو **امام العلما و الصلحا** کہا جاتا ہے۔ تقسیمِ ہند کے بعد بڑے بڑے علما نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ پہلے تو ہم آپ کی صحبت میں آجاتے تھے، مسائل کے معاملے میں رجوع کرتے تھے، آپ کی مجلس سے فائدہ اٹھاتے تھے، اب ملک تقسیم ہو گیا تو اب کیا

کریں؟ تو حضرت نے چند آدمیوں کے نام لکھے، فرمایا کہ ان کی صحبت میں بیٹھو گے تو ان سے تمہیں نور نصیب ہوگا، اس میں ان کا بھی نام شامل تھا۔ وہ ایسی شخصیت تھے۔

ان کے حالاتِ زندگی میں لکھا ہے کہ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مرتبہ ملنے کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس دن اپنی تدریس و تعلیم کا جتنا بھی نظام تھا سارا ایک طرف رکھ دیا، حالانکہ وہ ایسا نہیں کرتے تھے۔ اور انہوں نے وہ دن ان کے ساتھ مل کر گزارا۔ اور جب حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ رخصت ہونے لگے تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمایا: مولانا! قیامت کے دن ہمیں بھی یاد رکھنا۔ یہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ان کے بارے میں الفاظ تھے۔ اور وہ جب دارالعلوم دیوبند کے اندر کبھی کبھی طلبا کو حلقہ کروایا کرتے تھے تو حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ان کو دیکھا کرتے تھے اور خوش ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں آیا ہے:

اذا رؤوا ذکر اللہ "ان کو دیکھو تو تمہیں اللہ یاد آجائے"

ان کی عادت تھی کہ دارالعلوم دیوبند میں ہمیشہ ایک ہفتہ ٹھہرا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ تین دن کے بعد انہوں نے واپس آنا چاہا تو تیاری کر لی۔ جب تیاری کر لی تو کیا دیکھا کہ دورۂ حدیث کے طلبا جو دارالضیوف بنا ہوا تھا اس کے دروازے پر آکر بیٹھ گئے۔ اتنے میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ بھی ملنے کے لیے آ گئے تو حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ سمجھے کہ شاید حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ الوداعی ملاقات کے لیے تشریف لائے ہیں۔ مگر حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے آکر انہیں کہا کہ حضرت! آپ کا معمول ایک ہفتہ یہاں رہنے کا ہوتا تھا، اس مرتبہ آپ تین دن کے بعد جا رہے ہیں، مجھے پتہ چلا تو میں نے درس وہیں موقوف کر لیا۔ طلبا دروازے پر بیٹھے ہیں، میں یہاں بیٹھا ہوں، جب تک ایک ہفتہ رکنے کا ارادہ نہیں فرمائیں گے ہم دارالحدیث واپس نہیں جائیں گے۔ چنانچہ

حضرت نے باوجود کسی عذر مجبوری کے ایک ہفتہ قیام فرمایا پھر وہاں سے تشریف لائے۔ تو پاکستان کے پونے تین سو بڑے بڑے علما صلحا مفتی شیخ الحدیث مہتمم عالم یہ ان کے خلفا میں سے ہیں، اس لیے ان کو امام العلما و الصلحا کہتے ہیں۔

حضرت عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی احتیاط:

ان کی غیر محرم سے نظر بچانے کی یہ حالت تھی کہ سردی گرمی ایک چھتری ہاتھ میں رکھا کرتے تھے، کچھ لوگ سمجھتے تھے کہ ان کو چھتری رکھنے کی عادت ہے۔ لیکن ان کے ایک قریبی خادم نے جو ان کے خلیفہ بھی تھے، ان سے پوچھا کہ حضرت گرمیوں میں تو چلو چھتری رکھنے کی بات سمجھ میں آتی ہے، سردیوں میں بھی آپ ہمیشہ رکھتے ہیں، اس کی کیا وجہ؟ تب حضرت نے بتایا کہ میں چھتری اس لیے یہ رکھتا ہوں کہ اگر دائیں طرف سے غیر محرم آتی ہے تو میں اس کو آگے کر کے پردہ کر لیتا ہوں اور اگر بائیں طرف سے آتی ہے تو میں ادھر سے پردہ کر لیتا ہوں تا کہ آنکھ اٹھنے کی نوبت ہی نہ آئے، اتنی آنکھ کی حفاظت فرماتے تھے، پھر ان کو یہ نور نسبت ملا۔

حضرت عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کا نورِ فراست:

چنانچہ یہ دو واقعات یہ عاجز آپ کو سنانا چاہتا ہے، ایک واقعہ تو ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ نے خود سنایا۔ پاکستان میں ایک پہاڑی علاقہ ہے وہاں نمک کی کانیں بہت ہوتی ہیں، علاقے کا نام ہے کھیوڑہ، تو حضرت وہاں آتے جاتے تھے اور پورے شہر میں حضرت کا تعارف تھا۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے شیخ کے ہمراہ اس شہر کی طرف چلا، حضرت پہاڑ کے اوپر پہنچے تو نیچے شہر تھا، حضرت نے پورے شہر پر نظر دوڑائی تو پوچھا کہ غلام حبیب! یہاں بھی کوئی صاحب نسبت رہتے ہیں؟ تو حضرت مرشدِ عالم رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ نہیں اس شہر میں کوئی صاحبِ نسبت نہیں

رہتے۔ تو پھر دوبارہ پوچھا کہ کوئی نہیں رہتا؟ میں نے کہا کہ حضرت میں پورے شہر کے لوگوں سے واقف ہوں میرا اکثرت سے یہاں آنا جانا ہے، یہاں کوئی بھی صاحبِ نسبت نہیں ہے۔ حضرت خاموش ہوگئے، کہنے لگے کہ حیرت اس بات پر ہوئی کہ جب ہم اپنے میزبان کے گھر پہنچے تو ہم نے کیا دیکھا کہ ایک صاحبِ نسبت بزرگ ان کے ہاں مہمان آئے ہوئے ہیں، یہ نسبت کا نور کہلاتا ہے جس کو اہلِ نظر دیکھتے ہیں۔

اور ایک واقعہ ان کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالرحمٰن قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس عاجز کو سنایا۔ کہنے لگے کہ حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ تبلیغی سفر پر تشریف لے گئے تھے، پیچھے حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ سفر سے ہوتے ہوئے اچانک ہمارے گھر تشریف لے آئے۔ کہنے لگے میں حضرت کے آنے پر بہت خوش ہوگیا، بڑی عمر کا تھا، جوان تھا، میں نے حضرت کو بٹھایا اور عرض کیا کہ جی ابا جی تو تشریف لے گئے ہیں مگر آپ یہاں ٹھہریں، کھانا کھائیں، آرام فرمائیں، پھر آگے سفر پر تشریف لے جائیں۔ فرمانے لگے کہ ہاں میں اسی لیے یہاں آیا ہوں۔ کہنے لگے کہ جب میں نے ان کے سامنے دسترخوان لگایا تو حضرت! ایسے غور سے پورے کھانے کو دیکھ رہے ہیں مگر ہاتھ آگے نہیں بڑھاتے، میں نے ہاتھ دھلوائے تھے، میں نے کہا کہ حضرت کھانا نوش فرمائیں۔ تو حضرت نے میری طرف دیکھ کر غصے سے فرمایا کہ تمہارے گھر میں یہ سؤر کیسے داخل ہوا؟ کہنے لگے کہ میرے تو پسینے چھوٹ گئے۔ میں بھاگا اندر آیا، میں نے اماں جی کو کہا کہ اماں جی! حضرت تو کھانے کی طرف ہاتھ ہی نہیں بڑھا رہے اور فرما رہے ہیں کہ تمہارے گھر میں یہ سؤر کہاں سے داخل ہوا؟ یہ کہنا تھا کہ اماں جی کی آنکھوں میں آنسو آگئے، یہ میری غلطی ہے، یہ میرے ہمسائے کی عورت اتنی قریب کی عورت ہے، یہ اتنے عرصے سے میرے پیچھے لگی ہوئی تھی کہ جب تمہارے پیر صاحب آئیں گے تو کبھی مجھے بھی کھانا پکانے کی خدمت کا موقع دینا۔ تو پڑوسیوں کی مروت

میں میں نے اس کو کھانا پکانے کی اجازت دے دی، مجھے نہیں پتہ تھا کہ ان کے مال کے اندر سود شامل ہوتا ہے، تو اماں جی نے اپنے گھر کا کھانا بنایا، جب میں یہ لے کر پہنچا تو حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے نوش فرمایا۔ یہ نورفراست ہوتا ہے اللہ والوں کو مل جاتا ہے۔

حضرت علاؤالدین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نورِفراست:

ایک واقعہ اس عاجز کی اپنی زندگی میں بھی پیش آیا۔ کیونکہ یہ اس موقع کے متعلق ہے، ورنہ اس عاجز کو عادت نہیں ہے واقعات سنانے کی۔ بہت ابتدا میں جب حضرت نے اجازت دی، اس وقت عمر بھی ذرا جوانی کی تھی تو اس کے کچھ عرصہ بعد ایک ہمارے ساتھی تھے جس کے ساتھ اس عاجز کا محبت اور اصلاحی تعلق ہوگیا۔ ہمیں ایک جگہ شرکت کے لیے جانا تھا۔ گاڑی میں یہ عاجز تھا اور وہ صاحب ڈرائیو کر رہے تھے۔ ہم لوگ مغرب کی نماز پڑھ کر نکلے، ایک جگہ شہر آتا تھا، تو میں نے ان سے کہا کہ اگر آپ مناسب سمجھیں تو آپ کو میں ایک اللہ والے کی زیارت کرواتا ہوں مگر ایک شرط ہے کہ جب ہم وہاں پہنچیں گے تو نہ آپ نے جوتے اٹھانے ہیں، نہ آپ نے پیچھے چلنا ہے، نہ بات چیت میں یہ پتہ چلوانا ہے کہ ان میں ایک استاد ہے اور ایک شاگرد ہے، ہم ایسے جائیں گے جیسے دو دوست ہوتے ہیں اور میں اپنی پگڑی اتار کے ٹوپی پہن لوں گا تاکہ ہم ان اللہ والوں کی زیارت کریں، ان سے فائدہ اٹھائیں اور آگے چلے جائیں۔ وہ کہنے لگے جی ٹھیک ہے۔

یہ ہمارے نقشبندیہ سلسلہ کے ایک بزرگ تھے حضرت خواجہ علاؤالدین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کی خانقاہ تھی۔ ہماری کوشش تھی کہ عشا وہاں پڑھ لیں، عشا کے بعد حلقہ ہوگا، بیان ہوگا تو ہمیں زیارت کا موقعہ تو کم از کم مل ہی جائے گا۔ ہم جب وہاں

پہنچے تو عام معمول کے مطابق مسجدوں میں عشا کی نماز کو آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا۔ ہم نے گاڑی کھڑی کی، پگڑی اتاری، ٹوپی رکھی، رومال بھی رکھ دیا اور ہم دونوں مسجد کے اندر گئے۔ اندر جا کر حیران ہوئے کہ پوری مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی ہے اور وہ سب صفوں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہمیں سمجھ نہ لگی کہ بھئی! یہ نماز پڑھ کر فارغ ہوگئے یا ویسے ہی بیٹھے ہیں، ہم نے آرام سے پیچھے جوتے اتارے، جب آخری صف کے قریب پہنچے تو مصلے پہ حضرت تشریف فرما تھے، حضرت نے اونچی آواز سے پوچھا: مہمان تشریف لے آئے؟ کوئی بیس صفوں سے زیادہ صفوں میں لوگ بیٹھے تھے ایک آدمی کہتا ہے کہ جی آگئے۔ فرمانے لگے کہ ان کو اگلی صف میں بھیج دو۔ سب نے راستہ بنالیا ہم دونوں کو کہا کہ جی حضرت کا حکم ہے آگے تشریف لے جاؤ، ہم اگلی صف میں چلے گئے۔ لیکن اس عاجز کو پھر بھی احساس کہ ہمارا ظاہر تو ایسا ہے جیسے عام نوجوان ہوتے ہیں، اس لیے ہم بس ملیں گے اور آگے چلے جائیں گے۔ حضرت نے نماز پڑھائی اور نماز کے بعد مراقبہ ہوا اور پھر متوجہ ہو کر بیٹھ گئے۔ تعارف کیا، کہاں سے آئے؟ کہاں جارہے ہیں؟ تو بتایا جی فلاں جگہ سے آئے ہیں، فلاں جگہ جا رہے ہیں۔ دو باتیں کہنے کے بعد فرمانے لگے کہ آپ چھپاتے کیوں ہیں؟ بتاتے کیوں نہیں کہ آپ کو اجازت اور خلافت کن سے ہے؟ مسجد کے اندر بیٹھا ہوں، مجھے اس وقت پسینہ آگیا کہ یا اللہ! یہ اللہ والے جواسیس القلوب ہوتے ہیں، یہ دلوں کے ایسے جاسوس ہوتے ہیں کہ ظاہر میں پہچان کی کوئی صورت نہیں تھی، کیسے انہوں نے پہچان لیا؟ اس وقت میں نے کہا کہ جی ہاں حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ چکوال میں ہیں اور انہوں نے اس عاجز کو اجازت دی ہے۔ فرمانے لگے کہ تم چاہے چھپاؤ، میں یہاں عشا کی نماز پڑھنے کے لیے جب کھڑا ہوا، تو میرے ایک دوست نے اقامت کہنی

شروع کردی، اس وقت میرے دل میں الہام ہوا کہ دو مہمان نماز کے لیے آنا چاہتے ہیں، تم ان کا انتظار کرو، کہنے لگے میں وہیں بیٹھ گیا۔ آدھے گھنٹے سے امام مقتدی سارے لوگ بیٹھے ہیں، اب آپ لوگ آئے ہیں تو ہم نے نماز پڑھی۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ نور فراست کی کیا نعمت ہوا کرتی ہے؟

حضرت مولانا تاج محمود امروٹی رحمۃ اللہ علیہ کا نورِ فراست:

بالکل اسی طرح کا واقعہ ہمارے حضرت فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی پیش آیا۔ ایک مرتبہ حضرت ایک علاقے میں تھے اور اس علاقے میں حضرت مولانا تاج محمود امروٹی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، دین پور شریف کا علاقہ تھا۔ حضرت کا خیال ہوا کہ میں حضرت کی زیارت بھی کرلوں، پھر خیال ہوا کہ میرے ساتھ مریدین کی جماعت ہے اور اللہ والوں کے سامنے اس طرح پیر بن کے جانا ادب کے خلاف ہے تو اس لیے جانا ٹھیک نہیں۔ تو حضرت قریشی رحمۃ اللہ علیہ اکثر باتوں میں حضرت عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ جو ان کے اجل خلیفہ تھے ان سے مشورہ فرماتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ سے بات کی ۔ حضرت خواجہ عبد المالک رحمۃ اللہ علیہ بڑے زیرک اور سمجھدار تھے، انہوں نے کہا کہ حضرت! آپ تشریف لے جائیں مگر اس کا طریقہ یہ ہو کہ یہ آپ کی جماعت میں کئی پٹھان لوگ ہیں تو اتنے گورے چٹے نورانی چہروں والے آپ کے خلفا بھی پیر لگتے ہیں۔ تو آپ اپنا امامہ کسی کو دے دیں، عصا کسی کو دے دیں، جیکٹ اتار کے کسی کو دے دیں اور ان حضرات کو جو آپ کے خلفا ہیں منور چہرے والوں کو آگے چلائیں تاکہ وہ پیر نظر آئیں اور آپ ان کے درمیان میں چلیں، یہ جماعت جائے اور حضرت کا دیدار کر کے مصافحہ کر کے اور واپس آجائے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو پسند فرمایا۔

چنانچہ ایسے ہی ہوا، تو حضرت قریشی رحمۃ اللہ علیہ نے ٹوپی پہن لی اور چھپ گئے درمیان میں۔ اور وہ حضرات جن میں سے کوئی شیخ الحدیث تھے، کوئی مہتمم تھے، بہت منور شخصیتیں تھیں، وہ آگے آگے۔ کہتے ہیں جب یہ پوری جماعت دین پور بستی کے باہر پہنچی تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مقامی لوگوں کی جماعت کو لے کر وہاں استقبال کے لیے کھڑے ہوئے تھے۔ تو جب یہ جماعت کے لوگ آگے گئے تو جیسے جیسے یہ قریب پہنچتے رہے تو حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ یوں ہٹاتے رہے۔ جو آگے پہنچتے گئے وہ ہٹتے گئے، ہٹتے گئے، جب حضرت فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ پہنچے تو انہوں نے گلے لگا لیا۔ اس پر حضرت کا ایک عاشق صادق پنجابی نوجوان مرید تھا، اس کو حال پڑ گیا اور اس نے حال میں یہ کہنا شروع کر دیا۔

پیرا تو چھپناں وی چاہویں تے چھپ نہیوں سکدا

''میرے مرشد! آپ چھپنا بھی چاہیں تو چھپ نہیں سکتے''

تو یہ نورِ فراست تھا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا نورِ فراست:

کہتے ہیں کہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ہوئے تھے، ایک نوجوان آیا وہ شکل و صورت سے بہت منور شخصیت نظر آتی تھی، گورا چٹا، داڑھی بھی رکھی ہوئی، عمامہ بھی باندھا ہوا، جبہ بھی پہنا ہوا، حضرت کے پاس آیا اور آ کر کہنے لگا کہ حضرت! یہ جو حدیث پاک ہے۔

﴿ اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ ﴾

''مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔''

اس کا کیا مطلب ہے؟ تو جیسے اس نے یہ بات کہی تو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

نے اس کا چہرہ دیکھا، فرمایا کہ او نصرانی کے بیٹے! اس کا مطلب یہ کہ تو کلمہ پڑھ لے اور مسلمان ہو جا۔ اس نوجوان کو پسینہ آ گیا، کہنے لگا کہ واقعی میں عیسائی ہوں، عیسائیوں نے مجھے کہا کہ تم یہ وضع قطع بنا کر جاؤ اور اس کا مفہوم پوچھنا اور جب وہ سمجھائیں تو کہنا کہ آپ کو تو اتنی بھی فراست نہیں کہ پوچھنے والا مسلمان ہے کہ نہیں، میں تو امتحان کی غرض سے آیا تھا، آپ نے مجھے پہلے ہی پہچان لیا، اب آپ مجھے کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیں۔

تو یہ نور فراست ہوتا ہے۔ لیکن یہ ملتا ہے جب انسان ظاہری نظر کی احتیاط کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ باطنی نظر عطا فرما دیتے ہیں۔

بدنظری سے جی نہیں بھرتا:

یاد رکھیں بدنظری سے کبھی سیری نہیں ہوتی، کبھی دل نہیں بھرتا، جتنی زیادہ کرتا چلا جائے گا اتنا اور کرنے کو دل چاہے گا۔ یہ خارش والی جگہ کی طرح ہوتی ہے، کئی لوگوں کو خارش ہوتی ہے نا وہ جتنا کھجلائیں، اتنا زیادہ کھجلانے کو دل کرتا ہے، یہ بدنظری کا گناہ ایسا ہی گناہ ہے۔ شیطان دل میں ڈالتا ہے، چلو تم ایک دفعہ کر لو پھر نہ کرنا۔ حالانکہ ایک دفعہ کر کے پھر کتنی دفعہ اور کرنے کو دل چاہتا ہے۔ بدنظری انسان کے دل پر گہرا زخم لگاتی ہے۔ بدنظری سے بوڑھے بھی محفوظ نہیں رہتے۔ اس لیے کہ باقی گناہ کرتے ہوئے تو بندے کو ڈر ہوتا ہے، کوئی صوفی صاحب ہیں، کوئی عالم صاحب ہیں، کوئی حاجی صاحب ہیں، جھوٹ بولتے ہوئے ڈریں گے کہ جھوٹ کا پتہ چل گیا تو بدنامی ہو گی۔ چوری کرتے ہوئے ڈریں گے، پتہ چل گیا تو بدنامی ہو گی۔ اور کوئی الٹا کام کرتے ہوئے ڈریں گے، لیکن بدنظری ایسا گناہ ہے کہ اس کو کرنے سے بدنامی کا کوئی ڈر ہی نہیں۔ بدنظری کر کے بھی حاجی صاحب حاجی صاحب ہیں۔ کسی کو کیا پتہ؟

کوئی ساتھ لگا تھوڑی دیکھ رہا ہوتا ہے۔ تو بدنظری کا سوائے اللہ کے کسی کو پتہ نہیں چل سکتا۔ اس لیے اس سے بوڑھے بھی محفوظ نہیں۔

بدنظری کے نقصانات:

- ہمارے اکابر نے فرمایا: ''بدنظری فساد کا بیج ہے''
- بعض بزرگوں نے کہا: بدنظری زنا کی سیڑھی ہے۔
- بدنظری سے عمل کی توفیق چھین لی جاتی ہے، کئی مرتبہ آدمی دیکھتا ہے نا کہ نماز پڑھنے کو دل نہیں کرتا، تلاوت کرنے کو دل نہیں کرتا، یہ نہیں ہے کہ بندے کا دل نہیں کرتا، اصل میں اس سے توفیق چھین لی جاتی ہے۔
- بدنظری سے قوتِ حافظہ کمزور ہو جاتی ہے۔
- بدنظری کرنے والے شخص سے شیطان پر امید رہتا ہے۔

شیطان کو امید لگی رہتی ہے کہ یہ اِدھر اُدھر دیکھتا رہتا ہے کبھی نہ کبھی یہ قابو میں آجائے گا۔

- ہمارے مشائخ نے لکھا کہ بدنظری کرنے والے انسان کے جسم سے بو آتی ہے۔ جس کو اہلِ نظر پہچان جاتے ہیں۔
- بدنظری کرنے والے انسان کے چہرے پر سیاہی ہوتی ہے۔ جس کو اہلِ نظر پہچان لیتے ہیں۔

بدنظری کی وجہ سے ایمان سے محرومی:

بدنظری سے اللہ رب العزت کی غیرت کو جوش آتا ہے کیونکہ یہ بدنظری ایسا گناہ ہے کہ بسا اوقات ایک بدنظری کرنے پر آدمی ایمان سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

ایسے کتنے ہی واقعات ہیں کہ ایک بدنظری پر ایمان جاتا رہتا ہے۔ تو اس پر علما نے بڑی تفصیل لکھی ہے کہ چوری کرنے پر ایسا نہیں ہوتا، ڈاکہ مارنے پر ایسا نہیں ہوتا، زنا کرنے پر ایسا نہیں ہوتا، شراب پینے پر ایسا نہیں ہوتا، یہ بدنظری اتنا بڑا گناہ کیسے ہوگیا کہ اس کے کرنے سے ایمان سے بھی محروم ہوجاتے ہیں۔ تو پھر علما نے اس کا جواب لکھا، وہ فرماتے ہیں کہ اصل بات یہ ہے کہ باقی کام تو گناہ ہیں لیکن یہ بدنظری گناہ بھی ہے اور گناہ کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی غیرت کا بھی معاملہ ہے۔ پروردگار کو غیرت آتی ہے کہ او بندے! میں نے کیا کیا نعمتیں تجھے دیں، تو اب میری ذات کو چھوڑ کر محبت کی نظریں میرے غیر کی طرف اٹھاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس غیرت کی وجہ سے ایمان کی دولت سے سے محروم فرمادیتے ہیں، اس لیے یہ بہت خطرناک گناہ ہے۔

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے باقاعدہ واقعہ لکھا ہے اور وہ بڑے محتاط لکھنے والے ہیں۔ ایک آدمی نے ایک مرتبہ بدنظری کی اور اس کی وجہ سے وہ ایمان سے محروم ہوگیا۔

اس لیے یہ بدنظری انسان کے دل کے لیے زہر کی مانند ہے تو چاہیے کہ اس زہر سے انسان اپنے آپ کو بچائے۔

مرنے کے بعد دل کا حال:

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب بات لکھی، فرماتے تھے:

حَالُ الْعَبْدِ فِي الْقَبْرِ كَحَالِ الْقَلْبِ فِي الصَّدْرِ

’’کہ انسان کا قبر میں وہی حال ہوگا جو حال سینے میں اس کے دل کا ہوا کرتا ہے۔‘‘

کہ انسان کے سینے میں جو کیفیت اس کے دل کی ہوگی، وہی کیفیت قبر میں جا کر بندے کی بنے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر طرح کے عذابوں سے محفوظ فرمائے۔

تیسرا زہر

فضول الطعام

انسان کے قلب کے لیئے جو چیزیں زہر کی حیثیت رکھتی ہیں جن چیزوں سے دل مریض بنتا ہے ان میں تیسری چیز ہے:

فَضُوْلُ الطَّعَام

فضول کھانا، مشکوک کھانا

کھانا انسان کی ضرورت ہے لیکن اگر اس میں بے احتیاطیاں ہوں تو یہ چیز انسان کے قلب کے لیے ظلمت کا سبب بن جاتی ہے۔

دینِ اسلام میں رزقِ حلال کی اہمیت:

دینِ اسلام نے رزق حلال کو فَرِیْضَۃٌ مِنْ بَعْدَ الْفَرَائِض (فرائض کے بعد ایک فرض) کہا۔ لہٰذا جو آدمی اپنے کام کاج کے لیے جاتا ہے، محنت مشقت کرتا ہے، اس کو نفلیں پڑھنے والے سے زیادہ ثواب ملتا ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک صحابی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب آپ ﷺ نے مصافحہ فرمایا تو ان کا ہاتھ بہت سخت تھا۔ نبی علیہ السلام نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! میں پتھر توڑتا ہوں میرا کام ایسا ہے کہ میرے ہاتھ سخت ہو گئے، گٹے پڑ گئے ہیں تو نبی ﷺ نے اس کے ہاتھ کو دیکھ کر فرمایا:

اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ

ہاتھ سے مزدوری کرنے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہوتا ہے۔

تو جو انسان رزقِ حلال کے لیے محنت کر رہا ہوتا ہے وہ اس فریضہ کو پورا کرنے کے لیے کوشش کر رہا ہوتا ہے۔

خوراک کا قلب پر اثر:

اگر رزقِ حلال خود بھی کھائے، اہل خانہ کو بھی کھلائے اور بچوں کو بھی کھلائے تو اس کی برکتیں اس کے گھر میں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ آج یا تو رزقِ حلال کمانے میں کوتاہی ہوتی ہے، یا رزق حلال کماتے ہیں اور بے احتیاطی اور غفلت سے اس میں حرام شامل کر بیٹھتے ہیں۔ دودھ کا پیالہ ہو تو پیشاب کا ایک قطرہ اس کو ناپاک بنانے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اور سود کی حرمت تو اس پیشاب سے بھی زیادہ ہے۔ تو اس بارے میں احتیاط نہیں کرتے، محتاط نہیں ہوتے، جس کی وجہ سے اس کے اثرات پھر قلب میں آجاتے ہیں۔

مخرج کی وجہ سے مدخل کا علم:

یہ طے شدہ بات ہے کہ جو مال حرام طریقے سے کمایا جاتا ہے، وہ وہ حرام جگہوں پر ہی لگا کرتا ہے۔ چنانچہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہمیں چیزوں کے مخرج کی وجہ سے ان کے مدخل کا پتہ چل جاتا ہے۔ بندے کا پیسہ جہاں خرچ ہو رہا ہوتا ہے اس سے پتہ چل جاتا ہے کہ آ کیسے رہا ہے؟ کسی نے پوچھا کہ حضرت! آپ نے اتنی بڑی بات کیسے کر دی؟ فرمانے لگے: یہ لو دس دینار اور بازار میں جو بندہ تمہیں ایسا نظر آئے کہ مستحق نہیں ہے یہ اس کو دے دینا۔ یعنی تمہاری نظر میں جو آدمی صدقہ لینے کا مستحق ہے ہی نہیں اس کو دے دو لیکن ذرا دیکھنا کہ یہ خرچ کہاں کرتا ہے؟ یہ دس دینار لے کر گیا اور شہر میں اس کو ایک آدمی نظر آیا، بہت خوبصورت، بڑی اچھی اس کی

پرسنیلٹی، بڑا اچھا لباس اور وہ اپنے ہاتھ میں کچھ لے کر جا رہا تھا، تو اس آدمی کے دل میں خیال آیا کہ یہ آدمی بالکل صدقے کا مستحق نہیں، میں اس کو دے دیتا ہوں۔ اس نے اس کو دس دینار دے دیے۔ اس اللہ کے بندے نے جب دس دینار لے لیے پہلے گھر کی طرف جا رہا تھا، پھر بازار کی طرف جانا شروع کر دیا۔ یہ بھی پیچھے پیچھے چل پڑا۔ اس کو کیا پتہ کہ یہ میرے پیچھے پیچھے آ رہا ہے۔ تو اس بندے نے آگے جا کر وہ تھیلا پھینک دیا اور دکان سے جا کر سبزی خریدی، گوشت خریدا، دس دینار کا کھانے پینے کا سامان خریدا اور ایک گھر میں داخل ہو گیا۔ اب اس نے تو پوری تحقیق کرنی تھی، کسی بندے سے کہا کہ یار مجھے اس کا حال معلوم کر کے دو! تو پڑوسی نے کہا کہ میری ان کے ساتھ بے تکلفی ہے، چنانچہ اس نے ان کا دروازہ کھٹکھٹایا اور پوچھا کہ آج آپ کے ساتھ کیا حالات پیش آئے؟ اس نے کہا میں سید گھرانے سے ہوں، ہمارے گھر میں آج چوتھا دن فاقے کا تھا، نہ گھر کی عورتوں نے کچھ کھایا، نہ میں نے کچھ کھایا اور آج ہمارے اوپر حرام کھانا بھی جائز بن گیا۔ میں گھر سے نکلا کہ میں کچھ لے کر آتا ہوں تو مجھے راستے میں سے کوئی مری ہوئی بکری ملی، تو میں نے اس کا گوشت کاٹ کے اس تھیلے میں لیا کہ گھر والوں کو کہتا ہوں کہ یہ پکاؤ اور کھاؤ، راستے میں آ رہا تھا کہ مجھے اللہ کا کوئی بندہ مل گیا، جس نے مجھے دس دینار دے دیے، اب میرے لیے اس گوشت کا کھانا حرام تھا تو اس کو میں نے پھینک دیا۔ اور دس دینار کا میں گوشت لیا، آٹا لیا، سبزی لی اور گھر لایا۔ آج ہمارے گھر میں اس صدقے کے پیسے کا کھانا پکا اور ہم کھا رہے ہیں اور جس نے دیا اس اللہ کے بندے کو دعائیں دے رہے ہیں۔ وہ بڑا حیران ہوا، اس نے آ کر سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو پورا واقعہ سنایا۔

اس نے کہا کہ اب ایسا کرو کہ اپنے دس دینار لے کر آؤ اور پورے شہر میں جو

سب سے زیادہ مستحق بندہ نظر آتا ہو کہ اس سے زیادہ تو اور کوئی صدقے کا محتاج ہے نہیں، اس کو دے دو۔ اب وہ دس دینار لے کر نکلا، دیکھتے دیکھتے اس کو ایک جگہ لنگڑا آدمی نظر آیا اور وہ مانگ بھی رہا تھا۔ اس کے ذہن میں خیال آیا کہ اس زیادہ معذور بندہ کون ہوگا؟ جو کما ہی نہیں سکتا اور مانگ بھی رہا ہے اس نے دس دینار اس کو دے دیے۔ وہ دینار لے کر وہاں سے چلا یہ بھی اس کے پیچھے پیچھے، تو وہ لنگڑا ایک ایسی دکان پر پہنچا، جہاں پر نشے کی چیزیں ملتی تھیں، پہلے تو اس نے کچھ پیسوں سے نشے کی چیزیں خریدیں۔ اور پھر وہاں سے جو نکلا تو ایک اور طرف، اب یہ بھی کچھ فاصلہ رکھ کر پیچھے پیچھے رہا۔ یہ حیران ہوا کہ دیکھا کہ یہ جوان لنگڑا بقیہ پیسے لے کر ایک طوائف کے گھر داخل ہو گیا اور وہاں زنا کاری کا مرتکب ہوا۔ تو اس کے پیسے جو حرام طریقے سے کمائے ہوئے تھے اس نے اپنی طرف سے مستحق بندے کو دیے اس نے بھی حرام چیزوں پر لگائے اور جو حلال طریقے سے آئے ہوئے پیسے تھے وہ دینے والے نے غیر مستحق کو دیے مگر وہ بھی بہترین جگہ پر خرچ ہو گئے۔ تو سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جیسا مال ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسی جگہ پر لگوا دیا کرتے ہیں۔ اس لیے ہر بندے کی بُس کی بات نہیں ہوتی، مسجد بنانا، مدرسہ بنوانا، نیک کاموں میں لگانا بڑا مشکل ہوتا ہے۔

واقعہ۲:

مجھے یاد ہے یہ کوئی ۱۹۸۶ کے قریب کا زمانہ تھا تو امریکہ میں کسی جگہ ایک مسجد اور مدرسہ بنانا تھا، تو اللہ تو کل ہم نے ابتدا کر دی۔ وہاں کی کمیونٹی کے لوگ بڑے جوش جذبے میں تھے کہ بھئی جلدی سے جلدی اللہ کا گھر بنائیں، کیونکہ اس سے پہلے ہم چرچ کا ہال کرائے پر لے کر چرچ میں تراویح پڑھا کرتے تھے۔ اب وہاں سے جب

نکل کے آتے تو کچھ کمروں میں ہمیں مورتیاں نظر آتیں تو ہمارا بڑا دل کڑھتا اور ہم دعائیں مانگتے کہ اے اللہ! ہمیں اپنا گھر دے دے۔ اللہ کی شان کہ ایک ختم قرآن کے موقعے پر دعا مانگتے ہوئے اس عاجز کی زبان سے یہ لفظ نکلا، اے اللہ! آئندہ سال تو اپنے گھر میں تراویح کی توفیق عطا فرما اور واقعی اللہ تعالیٰ کی ایسی رحمت ہوئی کہ اگلے رمضان سے پہلے اللہ تعالیٰ نے وہ گھر دے دیا اور وہاں پر تراویح اور نمازِ جمعہ سب کچھ باقاعدہ شروع ہو گیا۔

جن دنوں میں کام شروع ہو رہا تھا ایک صاحب میرے پاس آئے، کہنے لگے: حضرت صاحب! بس آپ میرا پردہ رکھ لینا، میرے حالات بالکل اچھے نہیں ہیں اور میں تو سوڈالر دینے کا بھی اہل نہیں ہوں، لوگوں کی نظر میں میرا وقار بنا ہوا ہے، اب اگر میں کہوں گا میں نہیں دے سکتا تو سارے مجھے طعن کریں گے، تو آپ میرا پردہ اس طرح سے رکھ لینا کہ مجھے جو کہے گا دو! میں کہوں گا میں نے حضرت صاحب کو دے دیا۔ اور آپ بھی کہہ دینا کہ جی اس نے مجھے دے دیا۔ اس نے سوڈالر مسجد کے لیے دیے میں نے سوچا کہ بندے کے حالات اچھے نہیں، مجھے کیا غرض کسی کو بتانے کی کہ کس نے کتنا دیا؟ خیر اس نے بڑے کامیاب طریقے سے سوڈالر دے کے لوگوں میں اپنا وقار اسی طرح بحال رکھا۔ جو پوچھتا آپ نے کتنا دیا؟ او جی میں نے جو دینا تھا میں جا کے دے آیا، ہم بھی چپ رہے ایک مومن کی ستر پوشی اچھی چیز ہے۔ خیر مسجد اللہ نے بنانی تھی وہ بن گئی، مگر چار مہینے کے بعد مجھے حیرت اس بات پر ہوئی کہ وہ اللہ کا بندہ ایک مرتبہ نماز پڑھ کر نکل رہا تھا اور میرے پاس یونیورسٹی کا ایک نوجوان آیا تھا جو تین چار دن پہلے اپنی غفلت بھری زندگی سے توبہ تائب ہوا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر مجھے کہنے لگا کہ حضرت! تین چار دن پہلے یہاں پر ایک کوئی بڑی انڈین گلوکارہ (گانا

گانے والی) آئی تھی اور اس کی ٹکٹ ایک ہزار ڈالر فی پرسن رکھی گئی تھی، میں بھی اس میں گیا تھا اور یہ جو بندہ ہے یہ سب سے پہلے لائن میں کھڑا تھا اور اس نے اپنے گھر کے بارہ بندوں کی ٹکٹیں خریدیں تھیں۔ اندازہ لگائیں جو بندہ مجھے کہہ رہا ہے کہ میں مسجد میں ایک سو ڈالر بھی نہیں لگا سکتا، وہ ایک فلمی گانے والی کا گانا سننے کے لیے اپنے گھر کے بارہ بندوں کی ٹکٹیں بارہ ہزار ڈالر میں خرید رہا ہے۔ مجھے اس دن بہت رونا آیا میں نے کہا: اللہ! بندہ خرچ نہیں کرتا آپ چاہتے ہیں تو قبول کر لیتے ہیں بندے کے بس کی بات نہیں۔

تو ہوتا یہ ہے کہ جو بندہ حلال طریقے سے حاصل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے مال کو بھی اچھی جگہوں پر لگاتے ہیں، جہاں مدتوں اس کو صدقہ جاریہ ملتا رہتا ہے اور جو ادھر ادھر کا معاملہ ہوتا ہے تو اس کا انجام بھی ویسا ہی ہوتا ہے۔

رزقِ حرام کی نحوست:

تو پہلی کوشش تو سالک کو یہ کرنی چاہیے کہ چاہے تھوڑا ہی ہو لیکن رزق حلال ہو۔ اس لیے کہ جس نے حلال حرام کا خیال چھوڑ کر فقط پیسے سمیٹنے کی کوشش کی وہ اپنے گھر میں پیسے کا انبار تو لگا لے گا لیکن اپنی بیوی اپنی اولاد کو نافرمان بنا لے گا۔ اکثر اوقات اولادوں کے نافرمان ہونے کی وجہ رزق حرام ہوتا ہے۔ ہمارے مشائخ نے یہ لکھا کہ جو بچہ حرام مال سے پلتا ہے اس کا جو ٹشو حرام مال سے پیدا ہوا اس ٹشو میں گدگدی ہوتی رہتی ہے، جب تک کہ وہ حرام کا مرتکب نہ ہو جائے۔ خواہ مخواہ پھر اپنی بیویوں کو ڈانٹتے ہیں، بیٹیوں کو ڈانٹتے ہیں، بچوں کو ڈانٹتے ہیں، جب تم نے ان کو حرام کھلایا تو ان کو گناہ کیے بغیر چین ہی نہیں آتا۔ اب وہ کیسے تمہاری عزت کا خیال رکھیں؟ بیٹا ہے تو راتیں باہر گزریں گی، بیٹی ہے تو وہ چھپ چھپ کر ایسی حرکتیں کرے گی جو خاندان کی

ناک کٹوانے کا باعث بنیں گی۔ انسان سمجھتا ہے کہ اولاد نے مجھے برباد کر دیا حالانکہ اس نے اپنے آپ کو بھی اور اپنی اولاد کو خود برباد کر دیا۔ یہ سبب بنا جو اپنے گھر میں حرام کو لے کر آیا۔

حرام اور حلال کے بارے میں بندے کی طبیعت بالکل صاف ہونی چاہیے۔ آپ دیکھتے ہیں کچھ لوگوں کے بچے بڑے ادب والے اصیل ہوتے ہیں، کیوں ہوتے ہیں؟ رزقِ حلال کی برکت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ان بچوں کے دل میں ماں باپ کی عظمت، محبت، ادب ڈال دیتے ہیں۔

اکابر کی رزقِ حلال میں احتیاط:

اس لیے ہمارے اکابر رزقِ حلال کے بارے میں بہت زیادہ محتاط رہتے تھے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کپڑے کی دکان کرتے تھے، جوانی کی عمر تھی، مگر اس امت میں تجارت یا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کر کے دکھائی یا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کر کے دکھائی۔ کیا پیاری تجارت تھی!

⊙ ...... ایک دفعہ عصر کے وقت دکان بند کر کے آ رہے ہیں، کسی نے کہا: نعمان! آپ تو مغرب کے وقت دکان بند کرتے تھے، آج جلدی کیوں کر دی؟ کہنے لگے کہ آسمان پر بادل آ گئے اور جب آسمان پہ بادل ہوں تو کپڑے کی کوالٹی کا ٹھیک اندازہ نہیں ہوتا، میں نے دکان بند کر دی کہ کوئی آدمی کم قیمت کپڑے کو قیمتی سمجھ کر مجھ سے دھوکا نہ کھا لے۔

⊙ ...... چنانچہ ایک کپڑے کا ایک تھان تھا جس کے اوپر کچھ داغ لگا ہوا تھا، آپ نے اپنے کام کرنے والے بندے کو کہا کہ جو بندہ یہ خریدنا چاہے تو اس کو بتا دینا کہ بھئی اس پر یہ داغ لگا ہوا ہے، پھر جتنی رقم وہ طے کرے اس پر اس کو دے دینا۔ آپ کسی

کام کے لیے چلے گئے، جب واپس آئے تو اس سے پوچھا کہ وہ تھان نظر نہیں آ رہا؟ اس نے کہا کہ جی کوئی بندہ لے گیا، کیا اسے بتا دیا تھا اس داغ کے بارے میں؟ جی میں تو بھول گیا تھا۔ کتنے میں تھان بیچا؟ اس نے قیمت بتائی، مثال کے طور پر سو دینار میں بیچا، آپ نے کہا: اس کی رقم مجھے دو، آپ نے پوچھا کہ اس کی شکل صورت کیسی تھی؟ لباس کیسا تھا؟ اس نے بتایا کہ جی ایسا ایسا تھا، اور اس گلی میں یوں گیا ہے؟ اس زمانے میں بڑے شہر تو ہوتے نہیں تھے، حضرت اس کے پیچھے گئے، دو چار گلیوں کے بعد وہ بندہ مل گیا۔ جب بندہ ملا تو آپ نے اس کو کہا کہ معاف کرنا وہ کام کرنے والا بچہ بھول گیا اور آپ کو بتا نہ سکا کہ کپڑے کے اوپر تو ایک داغ لگا ہوا تھا آپ جس کپڑے کو اچھا سمجھ کے لے جا رہے ہیں وہ ویسی کوالٹی کا نہیں ہے۔ میں آپ کی قیمت لے کر آیا ہوں اس میں آپ جتنے پیسے واپس لینا چاہیں آپ لے لیں اور جو آپ دینا چاہیں وہ پیسے دے دیں۔ اس نے امام اعظم کا چہرہ دیکھا، اس وقت تو وہ نعمان بن ثابت تھے، ابھی امام اعظم نہیں بنے تھے۔ اس نے ساری رقم لے لی اور اتنی رقم اس نے دوسری جیب سے نکال کے اور دے دی، آپ نے پوچھا کہ یہ تم نے کیا کیا؟ کہنے لگا: نوجوان! تم نے سچ بولنے کی انتہا کر دی اور تمہاری دیانت سے میں بہت متأثر ہوا ہوں۔ میں بھی تمہیں کھوٹے پیسے دے کر آ رہا تھا، میں نے کھوٹے پیسے لے کر تمہیں کھرے پیسے دے دیے۔

⊙ ......سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ان کے غلام نے ایک مرتبہ کھانے کو کوئی روٹی دی آپ نے نوش فرما لی۔ غلام نے بعد میں بتایا کہ جی میں تو ایک مرتبہ کسی قوم کے پاس گیا تو کوئی جھاڑ پھونک کوئی سحر کا عمل کیا تھا جس سے انہیں فائدہ ہوا۔ انہوں نے اس کی وجہ سے مجھے کچھ پیسے دیدیے تو اس کمائی کے پیسوں سے میں نے یہ روٹی لی تھی۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو آپ نے پانی پیا اور اپنے حلق میں انگلی ڈالی اور قے کر دی، جو لقمے کھائے تھے سارے کے سارے باہر نکال دیے۔ کسی نے کہا کہ حضرت! آپ نے دو چار لقموں کی خاطر اتنی تکلیف اٹھائی، فرمانے لگے کہ اگر مجھے یہ پتہ چل جاتا کہ میری جان نکلنے کے ساتھ یہ لقمے نکلیں گے تو میں پھر بھی نکالنے سے پیچھے نہ ہٹتا۔

مشتبہ مال سے گھر میں بے برکتی:

اس لیے ہمارے اکابر معاملات کا بڑا ہی خیال رکھتے تھے، رزق حلال گھروں میں لاتے تھے، گھروں میں برکتیں آتی تھیں۔ آج حرام کے مل جانے کی وجہ سے وہ برکتیں ختم ہو گئیں۔ چنانچہ گھر کے جتنے لوگ ہوتے ہیں کئی جگہوں پر سارے کے سارے کمانے والے ہوتے ہیں خرچے پھر بھی پورے نہیں ہوتے۔ پیسہ آنے کا تو پتہ چلتا ہے جانے کا پتہ ہی نہیں چلتا، یہ بے برکتی کیوں؟ یہ اس لیے کہ حلال نہیں ہوتا اس لیے حلال اور حرام کے بارے میں مومن کا ذہن بالکل صاف ہونا چاہیے۔ چاہے تھوڑے پیسے ہوں گے، وہ حلال کے ہوں گے تو ان میں برکت ہوگی، وہ ہماری ضرورتوں کے لیے کافی ہو جائیں گے۔ اگر مشتبہ مال ہوگا ہماری ضرورتیں وہ کبھی پوری نہیں کر سکے گا۔

اولاد کی نافرمانی کی وجہ، مشتبہ مال:

مشتبہ مال سے ایک تو بے برکتی ہو جاتی ہے اور دوسری صورت یہ کہ انسان کی اولاد اس کا کھانا کھاتی ہے تو وہ اولاد نافرمان ہو جاتی ہے۔ وہ رب کی بھی نافرمان ماں باپ کی بھی نافرمان بنتی ہے۔ منتیں کرو کہ تم نماز پڑھو! نماز میں ان کا دل نہیں لگے

گا اور انٹرنیٹ پر پانچ گھنٹے بٹھا دو بیٹھے رہیں گے، انٹرنیٹ پر ان کا بڑا دل لگے گا۔تو یہ بہت اہم ہے کہ جو بندہ چاہتا ہے کہ میرا دل زندہ رہے اس کو چاہیے کہ لقمہ حلال کا کھائے۔

رزقِ حلال راہِ سلوک کی شرط ہے:

رزقِ حلال یہ تصوف کے راستے کی شرط ہے، اس لیے حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ جس بندے کی غذا حرام ہو، وہ غلافِ کعبہ کو پکڑ کر بھی دعائیں مانگے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کی دعا کو کبھی قبول نہیں فرماتے۔

تو رزقِ حلال کو تو اپنی زندگی کا ایک مقصد بنالیں، یہ نہیں ہوتا کہ بس جو چیز آ گئی ڈالو پیٹ میں۔پیٹ کو ٹریش کین بنایا ہوا ہے کہ ہر چیز اس میں ڈالتے جاؤ۔ہمارے حضرات دیکھتے تھے، تحقیق کرتے تھے، پھر اس کے بعد لقمہ لیتے تھے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لقمے کے کچھ حقوق لکھے ہیں۔

ان میں سے اس کا پہلا حق یہ ہے کہ کھانے والا تحقیق کرے کہ میں حلال کھا رہا ہوں یا نہیں۔

کبھی حلال میں کچھ حرام شامل ہوتا ہے، مشتبہ مال بن جاتا ہے وہ بھی روحانیت کو برباد کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے، تو مشتبہ مال سے بھی انسان بچے یہ تقویٰ ہے۔

اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَ مَا بَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ

حلال بھی واضح ہے، حرام بھی واضح ہے، اس کے درمیان میں مشتبہات ہیں۔

جو ان کو بھی اللہ کی رضا کے لیے چھوڑ دیتا ہے، وہ انسان اللہ کا قریبی بندہ بن جاتا ہے، مقرب بندہ بن جاتا ہے۔

دعائیں قبول نہ ہونے کی وجہ:

حجاج بن یوسف کو پتہ چلا کہ اس وقت چالیس حضرات ایسے ہیں کہ جن کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ کسی نے کہا، ایسا نہ ہو کہ ان میں سے کوئی تمہارے متعلق بددعا کردے۔ اس نے کیا کیا؟ کہ ایک حیلے بہانے سے مشتبہ مال ان سب کو کھلا دیا، جب دھوکے سے کھلا دیا تو کہنے لگا کہ اب میں ان کی بددعا سے میں مامون ہو گیا۔ اب ان کی بددعا سے میرا کچھ نہیں بگاڑے گی۔

یہ وجہ ہوتی ہے کہ ساری دنیا کے مسلمان دعائیں کر رہے ہوتے ہیں لیکن اثرات ظاہر نہیں ہوتے، ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مدد نہیں کرتے۔ نہیں! ہمارے اپنے اندر ہی کمی ہوتی ہے، اگر ایک جگہ پانی سو فٹ سے نکلتا ہے تو آپ پچاس پچاس فٹ کے ایک لاکھ بور نکال لیں تو کسی میں سے بھی پانی نہیں نکلے گا اور اگر آپ ایک بور بھی سو فٹ کا کر دیں گے تو اس میں سے پانی نکل آئے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ہاں ایمان کا ایک معیار ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی مدد اترآتی ہے، جب اس ایمان والے معیار پر اتنے لوگ آجائیں گے، اللہ تعالیٰ کی مدد اترآئے گی۔

لقمہ حرام کی ظلمت چالیس روز تک:

حضرت غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے سلسلہ کے ایک بڑے بزرگ تھے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو تیرہویں صدی کا مجدد کہا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ قریبی عزیزوں کی ایک دعوت تھی، تو مجھے وہاں کھانا کھانا پڑ گیا اور مال صحیح حلال نہیں تھا۔ کہتے ہیں کہ میری تو ساری کیفیات ختم ہو گئیں۔ میں نے آکر حضرت مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کو پوری بات بتا دی۔ کہ صلہ رحمی کی وجہ سے مجھے کچھ کھانا پڑ گیا اور

میری تو کیفیات ہی ختم ہو گئیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اب تمہیں پھر توجہات لینی پڑیں گی۔ کہتے ہیں کہ میں اپنے شیخ کے پاس روزانہ جاتا وہ روزانہ میرے دل پر توجہ ڈالتے۔ چالیس دن متواتر توجہات لینے کے بعد ایک مرتبہ مشتبہ کھانے کی ظلمت زائل ہوئی۔ اور چالیس دن کس نے توجہات دیں؟ مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ جن کے بارے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا کشف عطا کیا کہ میں پوری دنیا کو اس طرح دیکھتا ہوں جس طرح کہ کوئی ہاتھ کی لکیروں کو دیکھتا ہے۔ یہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا اور یہ لکھنے کے بعد فرمایا: اس کشف کو حاصل ہونے کے بعد میں یہ کہتا ہوں کہ اس وقت پوری دنیا میں مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ جیسی روحانیت والا بزرگ مجھے کہیں نظر نہیں آتا۔ ایسے بزرگ نے چالیس دن توجہات دیں تب ایک کھانے کی ظلمت دل سے دور ہوئی۔ تو اس لیے کھانے کے معاملے میں حرام سے بھی بچنا چاہیے، مشتبہ مال سے بھی۔

بے نمازی کے کھانے سے پرہیز:

پھر ایک قدم اور آگے، مشتبہ مال سے بھی ایک قدم اور آگے اور وہ کیا؟ کہ بے نمازی عورت کے ہاتھ سے پکے کھانوں سے بھی پرہیز کرنا۔ ہمارے اکابر بھی اس چیز کی پابندی کرتے تھے کہ پکانے والی عورت بے نمازی نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک بے نمازی عورت کی نحوست چالیس گھروں تک جاتی ہے۔

ہمارے حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ بے نمازی آدمی کا پکا ہوا کھانا بالکل نہیں کھاتے تھے۔ یہ تقویٰ کا بہت اونچا معیار ہے، ہم لوگوں کی پہنچ سے بہت اوپر ہے۔ لیکن بتا اس لیے رہا ہوں کہ جن کو اللہ نے اتنا اونچا روحانی مقام دیا وہ کتنی احتیاط

کیا کرتے تھے۔تو ان کے خلیفہ خواجہ عبدالمالک چوک قریشی والے جوان کے ساتھ ہوتے تھے عام طور پر وہی ان کا کھانا بھی بناتے تھے۔حضرت اپنا گھی بھی ساتھ رکھتے تھے، چاول بھی ساتھ رکھتے تھے، آٹا بھی ساتھ رکھتے تھے، بس اسی کی کبھی روٹی بنا دیتے کبھی کھچڑی سی بنا دیتے اور حضرت تھوڑی سی وہی کھا لیتے۔

وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت کے لیے کھانا بنا کے رکھ دیا، ایک بندہ جو نیا تھا حضرت کو ملنا چاہتا تھا اور دعاؤں کے لیے کہنا چاہتا تھا، وہ میرے پیچھے پڑ گیا کہ حضرت سے مجھے ملاؤ میں نے دعا کروانی ہے، کوئی لسوھڑا ٹائپ آدمی تھا، ایسا چپکا کہ مجھے کہنا پڑا اچھا بھائی آؤ میں تمہاری بات کرواتا ہوں۔ ہم آ کر جب بیٹھے تو اس نے بات کی، حضرت نے اس کو کچھ بتایا، دعا کر دی تو وہ جانے لگا۔اتنے میں میں دسترخوان بچھانے لگا، اس اللہ کے بندے نے جاتے جاتے وہ پکی ہوئی ہنڈیا اٹھا کر اس دسترخوان کے قریب رکھ دی اور چلا گیا، میں نے دھیان ہی نہیں دیا۔ میں نے جب کھانا سامنے رکھا، تو حضرت نے کہا کہ نہیں میں نے نہیں کھانا، میں حیران ہوا میں نے کہا: حضرت! کھانا میں نے ہی تیار کیا ہے آپ کھا لیجیے، فرمانے لگے کہ تمہیں پتہ نہیں کہ میں جس کھانے کو بے نمازی کا ہاتھ لگا ہو وہ کھانا ہی نہیں کھاتا۔ میں نے کہا: حضرت! کسی نے ہاتھ نہیں لگایا، فرمایا میرے سامنے جھوٹ بھی بولتے ہو، کہنے لگے کہ میرے تو پاؤں کے نیچے سے زمین ہی نکل گئی، حضرت! مجھے تو نہیں سمجھ لگ رہی کہ میں نے کہاں غلطی کی آپ بتا دیجیے۔ فرمایا: تمہارے سامنے تو اس بے نمازی آدمی نے کھانا اٹھا کر دسترخوان پر رکھا تھا۔ کہنے لگے کہ میں فاقے سے رہوں گا، کھانا نہیں کھاؤں گا۔ کہنے لگے کہ میری آنکھوں سے آنسو آ گئے، میں بھی وہیں سو گیا اور حضرت بھی سو گئے۔کوئی دو گھنٹے کے بعد حضرت لا الہ الا اللہ پڑھتے ہوئے اٹھ بیٹھے، میں بھی

اٹھ بیٹھا، کہنے لگے: عبد المالک! عبد المالک! میں نے ابھی خواب دیکھا ہے کہ کہنے والا کہتا ہے کہ کچھ تقویٰ والے ایسے ہوتے ہیں، ہوتے تو اولیا ہیں لیکن اللہ ان کو انبیا والا تقویٰ عطا فرما دیتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ وہ لوگ تھے کہ جن کی زبان سے بات نکلتی تھی دوسرے کے دل میں اتر جاتی تھی، لوگ ان کا چہرہ دیکھ کر کلمہ پڑھ لیا کرتے تھے۔ ان کے ہاتھ اٹھتے تھے اللہ تعالیٰ دنیا کے جغرافیے کو بدل دیتے تھے۔

باوضو کھانے کی برکت:

لیکن ہم اپنے گھروں میں یہ تعلیم تو دے سکتے ہیں نا کہ ہماری بیویاں، ہماری بیٹیاں گھروں میں جو کھانا بنائیں تو باوضو ہو کر بنائیں۔ اچھا آپ تجربہ کر لیں، بیوی بیٹی کو گھر میں کہیں کہ جو کھانا بنائیں وہ باوضو بنائیں اور کھانے کے دوران وہ ذکرِ الٰہی کرتی ہیں، لا الہ کا ذکر کرتی رہیں، کوئی سورۃ قرآن مجید کی یاد ہے تو وہ پڑھتی رہیں۔ تو باوضو تلاوت قرآن کرتے ہوئے جو کھانا وہ پکانا شروع کریں گی چند دنوں کے اندر آپ کے گھر کی بے برکتی ختم ہو کر آپ کا گھر اللہ کی رحمتوں کا محور بن جائے گا۔ صرف گھر کی عورتیں باوضو ذکر کے ساتھ کھانا پکانا شروع کر دیں۔

جو عورتیں کہتی ہیں کہ ہمارے خاوند کردار کے اچھے نہیں، توجہ نہیں دیتے، یہ نہیں کرتے، ان عورتوں کے لیے یہ ایک بڑا پیارا نسخہ ہے۔ اس خاوند کو دم والا پانی پلانے کی بجائے اور کوئی اور تعویذ پلانے کی بجائے، باوضو اللہ کا قرآن پڑھتے ہوئے کھانا پکا کے کھلائیں۔ یہ کھانا اس کے اندر جائے گا، اللہ تعالیٰ گناہوں کی نفرت اس کے دل میں عطا فرما دیں گے۔ اس عاجز نے اپنی زندگی میں درجنوں لوگوں کی زندگی صرف اس عمل سے بدلتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ یہ کوئی چھوٹا سا عمل نہیں ہے، اس کو اپنے گھروں میں عام کر دیجیے۔ تا کہ آپ کے چھوٹے بچے ایسی باوضو تلاوت

کرتی ہوئی عورت کا کھانا کھائیں اور پھر وہ بچے ادب والے بنیں، حیاوالے بنیں اور بڑے ہوکر وہ دیندار بن کر آپ کے آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائیں۔ اس کا تجربہ کر کے دیکھ لیجیے۔

کھانا پکاتے ہوئے صحابیات کی قرآن پڑھنے کی عادت:

ہمارے اکابر تو اس کا خیال کرتے تھے اور یہ صحابیات کی سنت ہے، ان کی عادت مبارکہ ایسی تھی کہ وہ گھر کے کام کاج کے دران تلاوت اور ذکر اذکار کرتی رہتی تھیں۔ چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا تنور پر بیٹھی روٹیاں پکا رہی تھی۔ روٹی جب پک گئی تو انہوں نے اپنی روٹیاں اپنے سر پہ رکھیں گھر جانے کے لیے، کہنے لگیں: لے بہن! میری روٹیاں بھی پک گئیں اور میرے تین پارے بھی مکمل ہوگئے۔ پتہ چلا کہ جتنی دیر وہ تنور پر روٹیوں کے انتظار میں بیٹھی تھی، اتنی دیر وہ اللہ کے قرآن کی تلاوت کیا کرتی تھی۔ آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں دنیا میں، کئی جگہوں پر یہ عاجز جاتا ہے تو کھانا بنانے والے خود بتاتے ہیں کہ جی میری اہلیہ نے کھانا بناتے ہوئے تین مرتبہ سورۃ یٰسین کی تلاوت کی۔ بھئی سورۃ اخلاص تو ہر ایک کو آتی ہے چلو وہی پڑھتی رہیں۔ کوئی چھوٹی سورۃ پڑھتی رہیں، کلمہ کا ذکر کرتی رہیں، اللہ کی یاد کے ساتھ پکا ہوا کھانا انسان کے جسم میں آکر اسے باخدا انسان بنا دیتا ہے۔

مشتبہ کھانے کا دل کی نورانیت پر اثر:

ایک تو ہے نا حرام چیز سے بچنا، مشتبہ مال سے بچنا۔ لیکن حلال مال بھی ہے تو غافل بندے کا پکا ہوا نہ ہو، باوضو نمازی کا پکا ہوا ہو، اس کے بھی اثرات ہوتے ہیں۔

چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا ایک واقعہ کتابوں میں لکھا ہے

کہ ایک مرتبہ جب وہ نماز پڑھ کر مسجد سے باہر نکلے تو انہوں نے دیکھا کہ کچھ جوتے دائیں طرف اور کچھ جوتے بائیں طرف پڑے ہوئے ہیں۔ ترتیب وار یوں رکھے ہوئے ہیں۔ تو حضرت فرماتے ہیں کہ میں متوجہ ہوا کہ یہ تقسیم کیسی بھئی! پہلے تو نارمل پڑے ہوتے تھے، آج تقسیم کیوں؟ تو مجھے بتایا گیا کہ محمد معصوم آیا تھا (وہ چھوٹا بچہ (صاحبزادہ) جس کے بارے میں بشارت تھی کہ ایسا بیٹا آپ کو دیں گے جو ساری زندگی اللہ کی حفاظت میں ہوگا، کبیرہ گناہ کا مرتکب کبھی نہیں ہوگا، تو حضرت نے اس کا نام محمد معصوم رکھا) کسی نے بتایا کہ جی محمد معصوم آیا تھا اور وہ کھیلتے کھیلتے کچھ جوتوں کو اِدھر کر گیا کچھ جوتوں کو اُدھر کر گیا، فرمانے لگے کہ جب میں اور متوجہ ہوا تو مجھے دل میں الہام ہوا کہ دائیں طرف والے اصحاب الیمین ہیں اور بائیں طرف والے اصحاب الشمال ہیں، ادھر والے سعید ہیں اور ادھر والے شقی ہیں۔ کہتے ہیں کہ مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ اتنے چھوٹے بچے کو ایسا کشف ملا کہ اس نے کھیلتے کھیلتے جوتوں کو یوں کر دیا، فرمانے لگے کہ میں نے حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کو فوراً پیغام بھیجا کہ حضرت میرے بیٹے کا ابھی یہ حال ہو گیا تو بڑے ہو کر اس کا کیا حال ہوگا؟ سنبھلنا مشکل ہو جائے گا۔ حضرت نے فرمایا کہ تم اپنے دونوں بیٹوں کو میرے پاس بھیج دو! خواجہ محمد سعید بڑے تھے، خواجہ معصوم ان سے چھوٹے تھے، دونوں چھوٹی عمر میں ہی بہت اللہ کے نیک بزرگ تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے دونوں بچوں کو خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھیج دیا۔ خواجہ صاحب نے دہلی کے بازار کا کھانا منگوا کر ان کو کھلایا، ان کا سارا کشف زائل ہو گیا، اس زمانے میں دہلی کے بازار کا کھانا کیا ہوگا؟ اس زمانے میں دہلی کے بازار کا پکا ہوا کھانا کھانے سے ایسا کشف جو ان کے بچوں کو حاصل تھا وہ ختم ہو گیا۔ حضرت فرماتے ہیں کہ ہم نے سکون کا سانس لیا کہ بچوں کے پاس کوئی ایسی چیز

نہیں جو فتنے کا سبب بن جائے۔ان حضرات کو اپنے بچوں کی کیفیات گھٹانی پڑتی تھیں ہمیں اپنی کیفیات بڑھانی ہوتی ہیں، بڑھتی ہی نہیں۔اس کی وجہ یہ چیزیں ہوتی ہیں کہ ہم نے بے احتیاطیاں کی ہوتی ہیں، نہ نگاہ قابو میں، نہ زبان قابو میں، نہ شرم گاہ قابو میں، نہ پیٹ کا معاملہ قابو میں،تو بندے کے اندر روحانیت کیسے پیدا ہو؟ روحانیت پیدا کرنے کے لیےتو پھر بہت احتیاط کرنی پڑتی ہے۔

پیٹ بھر کر کھانے کی ظلمت:

تو یہ احتیاطیں اور یہ چیزیں تو اپنی جگہ ایک شر اس سے اور بھی اوپر ہے۔کھانا حلال بھی ہے، نمازی بندے نے بھی پکایا، ہر طرح سے ٹھیک ہے،تو ہمارے حضرات فرماتے تھے کہ سب احتیاطوں کے باوجود اگر وہ کھانا تمہارے سامنے آئے تو تم اسے پیٹ بھر کر مت کھاؤ! بس ضرورت کے مطابق کھاؤ جس سے بھوک بجھے، اللہ اللہ خیر سلا۔ یہ بسیار خوری یہ اپنی جگہ ظلمت رکھتی ہے۔چنانچہ ''تاتارخانیہ'' کی شرح میں لکھا ہوا ہے کہ جو بندہ بسیار خور ہوتا ہے، (بسیار خور کا مطلب بہت زیادہ کھانے ولا) اس کی نصیحت کا دوسرے بندے کے دل پر اثر نہیں ہوتا۔اس عاجز نے یہ بات پڑھنے کے بعد بہت غور کیا تو واقعی اس نتیجے پر پہنچا کہ جو بہت زیادہ کھانے کا عادی ہوتا ہے اس کی تقریر پر لوگ واہ واہ تو کریں گے،اس کی تقریر سن کر زندگیاں نہیں بدلیں گے۔ زندگی ان کی بات سے بدلیں گے جو ہمیشہ کم کھانے کے عادی ہوں۔ مجھے کتنے سال گزر گئے یہ چیز نوٹ کرتے ہوئے کہ جس بندے کو زیادہ کھانے کی عادت ہوتی ہے اس بندے کے وعظ کئی مرتبہ ایسے ہوتے ہیں کہ بندے کو رلا دیتے ہیں، مجمعے کو ہلا دیتے ہیں مگر زندگیاں کسی کی بھی نہیں بدلتیں۔ادھر ہی لوگ رو کے خالی چلے جاتے ہیں۔لوگوں کی زندگیاں جو بدلتی ہیں ہمیشہ ان لوگوں کی نصیحت سے جو کم کھاتا ہو۔

اس لیے ہمارے اکابر جتنے بھی تھے وہ بہت ہی کم کھانے والے تھے۔

اکابر کی مثال اور ہمارا حال:

بلکہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''احوال الصادقین'' میں یہ لکھا ہے کہ ہمارے اکابر اتنا کم کھاتے تھے کہ ہفتے میں ایک مرتبہ بیت الخلا جاتے تھے اور ماشاء اللہ دن کی پانچ نمازیں۔ اور ہم چھ اور سات دفعہ بیت الخلا جاتے ہیں کئی مرتبہ تو بیت الخلا کا وقت جمع کر لیں تو اتنا وقت مسجد کے اندر نہیں گزرا ہوتا جتنا بیت الخلا کے اندر گزرتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں ایک نوجوان کو روزانہ بیت الخلا جانے کی ضرورت ہونے لگی تو اس کی والدہ نے اسے حکیم کے پاس بھیجا کہ حکیم صاحب اس کو دوائی دو میرے بیٹے کا پیٹ جاری ہو گیا ہے۔

آج کے دور میں کم کھا کر مرنے والوں کی نسبت زیادہ کھا کر مرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ یہ بلڈ پریشر کم کھانے سے ہوتا ہے یا زیادہ کھانے سے؟ یہ ہائی کولسٹرول، یہ شوگر کی بیماری یہ سب بیماریاں اسی طرح کی ہیں۔ تو اگر سب شرائط والا کھانا بھی ہو تو بھی بقدر ضرورت کھائیں۔

پیٹ بھرنے کا پیمانہ حدیث کی روشنی میں:

حدیث پاک میں آتا ہے سنیے ترمذی شریف کی روایت ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((مَا مَلَأَ ابْنُ آدَمَ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنِهِ))

''بنی آدم نے کوئی برتن اپنے پیٹ سے زیادہ برا نہیں بھرا''

پیٹ ایک برتن ہے اور جتنے برتن انسان بھرتا ہے ان میں سب سے برا برتن اس

کا پیٹ ہے۔ فرمایا: ف

حَسْبُ اِبْنِ آدَمَ لُقَيْمَان يُقِمْنَ صُلْبَهٗ

کہ بنی آدم کے لیے دو لقمے کافی ہیں کہ جن کو کھانے سے اس کی کمر سیدھی رہ جائے۔

حدیث پاک میں ہے کہ اتنا کھائے کہ جس سے اس کی کمر سیدھی رہ جائے بس اتنا کھائے، ضرورت کے مطابق۔

وَ اِنْ كَانَ لَا مَحَالَةَ وَ ثُلُثٌ مِنْ طَعَامِهٖ

''اور اگر یہ محال ہو تو پھر تیسرا حصہ کھانا کھائے''

اور اگر اس سے زیادہ کھانا ضروری ہے، مثلاً مشقت کا کام کرتا ہے اور اس کی ضرورت ہے تو فرماتے ہیں کہ پیٹ کا تیسرا حصہ کھانا کھائے۔

وَ ثُلُثٌ لِشَرَابِهٖ وَ ثُلُثٌ لِنَفْسِهٖ

اور تیسرا حصہ پانی کے لیے رکھے اور تیسرا سانس کے لیے رکھے۔

چنانچہ پیٹ کے تین حصے بنائے تو یہ اس کے لیے زیادہ بہتر ہے۔

آج کل پیٹ بھرنے کی عادت:

اب اس حدیث پاک کے سامنے ہم اپنی عادتوں کو دیکھ لیں ایک تو ہوتا ہے نا رمضان کا کھانا اس کو تو علیحدہ کر دیں، کیونکہ رمضان میں روزہ رکھنے کی وجہ سے انسان زیادہ کھاتا ہے۔ جیسے حضرت شیخ الحدیث اپنے بارے میں لکھتے ہیں کہ میں سحری میں ایسے کھاتا تھا جیسے اناڑی کی بندوق بھری جاتی ہے، تو رمضان کا کھانا ایک طرف۔ اس کے علاوہ بھی اگر آپ دیکھیں تو ہم بہت زیادہ کھانے کے عادی ہیں۔

بلکہ ہم تو پٹھان بھائی کی طرح کھاتے ہیں۔ ہمارا ایک پٹھان بھائی تھا، ...

مولانا صاحب نے یہ حدیث سنائی تو اس کو بات سمجھ نہ آئی۔ بعض دفعہ زبان صحیح سمجھ نہ آئے تو بندہ کچھ کا کچھ سمجھ لیتا ہے۔ چنانچہ جب امام صاحب نے یہ مسئلہ بیان کیا تو وہ آ کر یہ کہنے لگا کہ امام صاحب! آپ نے کیا مسئلہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ بھائی میں نے یہی بتایا ہے کہ پیٹ کے تین حصے کرنا چاہئیں۔ اس نے کہا بھئی! ہم تو سیدھے سادے اصول پر کام کرتے ہیں۔ سیدھا سادا اصول کیا ہے؟ کہتا ہے کہ مولانا! جتنی پیٹ میں جگہ ہو اتنی تو ہم کھاتے ہیں روٹی، اور جو درزیں رہ جاتی ہیں، ان میں سے پانی اندر چلا جاتا ہے، باقی رہ گیا سانس اس کی مرضی، آتا ہے آئے نہیں آتا نہ آئے۔ آج ہماری بھی کھانے کی عادت ایسی ہی بنی ہوئی ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول:

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

مَا شَبِعَ الُ مُحَمَّدٍ مُنْذُ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ مِنْ خُبْزٍ هُرٍ ثَلٰثَةَ لَيَالٍ سِوَاءٌ حَتّٰى قُبِضَ

کہ نبی علیہ السلام جب مدینہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تین متواتر راتیں ایسی نہیں گزریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ بھر کے کھانا کھایا ہو۔

مدینہ کی پوری زندگی میں تین متواتر راتیں ایسی نہیں گزریں کہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہو۔

ایک عابد کی نصیحت:

اور بنی اسرائیل کے ایک عابد نے نصیحت کی تھی اس نے کہا کہ

لَاتَاكُلُوْا كَثِيْرًا وَ تَشْرَبُوْا كَثِيْرًا فَتَنَامُ كَثِيْرًا فَتُخْسِرُوْا كَثِيْرًا

کہ تم زیادہ نہ کھاؤ کہ پھر تم زیادہ پیو گے اور زیادہ سوؤ گے اور زیادہ خسارہ اٹھانے والے ہو گے۔

اگر زیادہ روٹی کھاؤ گے تو پھر پانی بھی زیادہ پیو گے اور اگر پانی زیادہ پیو گے تو پھر تمہیں نیند بھی خوب آئے گی اور اگر ایسا ہوا تو تم نقصان بھی زیادہ اٹھاؤ گے۔

کم کھانے کے فوائد:

پہلے اکابر تو بہت کم کھاتے تھے لیکن اس زمانے میں ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ جتنی بھوک ہو انسان کھائے لیکن بھوک سے اوپر جس کو کہتے ہیں ٹھونس کر کھانا یہ عادت انسان چھوڑ دے۔ فرماتے ہیں:

اِنَّ مَعْصِيَةَ اللّٰهِ بَعِيْدَةٌ مِّنَ الْجَائِعِ قَرِيْبَةٌ مِّنَ الشَّبْعَانِ

"اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بھوکے انسان کی نسبت پیٹ بھرے انسان سے جلدی ہوتی ہے"

یعنی اللہ تعالیٰ کی معصیت کے قریب بھرا پیٹ بندہ زیادہ قریب ہوتا ہے بہ نسبت خالی پیٹ بندے کے۔

چنانچہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ فاقے کے بڑے فضائل بیان کر رہے تھے، کسی نے کہا کہ حضرت! یہ بھی کوئی ایسی چیز ہے جس کی فضیلت بیان کریں۔ فرمانے لگے کیوں نہیں؟ اس کی سب سے بڑی فضیلت تو یہ کہ اگر فرعون کو فاقے آئے ہوتے تو زندگی میں وہ کبھی انا ربکم الاعلیٰ کے الفاظ نہ کہتا۔ اس نے خدائی کا دعویٰ ہی اسی لیے کیا کہ اسے فاقے کبھی نہیں آئے۔

تو بھوکا رہنے سے انسان کی انانیت ٹوٹتی ہے، تکبر ٹوٹتا ہے، غصے میں کمی آتی ہے اور انسان کی شہوت ٹوٹتی ہے۔ جو انسان کہتا ہے کہ جی مجھے غصہ بہت آتا ہے وہ کم

کھانے کی عادت ڈالے۔ جو کہتا ہے کہ جی شہوت قابو میں نہیں، حدیث پاک کے مطابق مسلسل روزے رکھے۔ جو کہتا ہے کہ جی میرے اندر اکڑ بہت ہے، کم کھائے عاجزی خود بخود پیدا ہو جائے گی۔

تو کم کھانے کی یہ فضیلتیں ہیں، اسی لیے جو بہت زیادہ پیٹ بھر کر کھانا کھانے والا آدمی ہوگا، ذہین بھی ہوگا تو وہ چست (Quick) نہیں ہوگا۔ دیکھیں کچھ لوگ ذہین تو بڑے ہوتے ہیں مگر تیز نہیں ہوتے۔ ان کا دماغ فوراً نہیں چلتا، تھوڑا ٹھہر کر سوچ کر پھر دماغ میں بات آتی ہے، لیکن جو لوگ کم کھانے کے عادی ہوں گے آپ دیکھیں کہ ان کا دماغ بہت تیز عمل کرنے والا ہوگا، تو دنیاداری میں بھی جو کم کھانے والے لوگ ہوتے ہیں تو وہ ہمیشہ تیز ہوتے ہیں، ان کا آئی کیو بہت تیز ہوتا ہے۔

خوب کھا اور خوب عبادت کر:

حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! کتنا کھانا چاہیے؟ حضرت نے فرمایا: ''تو اچھا کھا مگر کام اچھی طرح کر۔ بھئی! اگر تم مناسب کھانا کھاتے ہو تو پھر عبادت بھی ڈٹ کر کرو۔ جو بیل خوب اچھی طرح کوہلو چلائے یا کنواں چلائے تو اس کو چارہ ڈالتے ہوئے مالک کو دکھ تو نہیں ہوتا۔ تو جو بندہ ڈٹ کے عبادت کرنے والا ہو وہ اگر خوب کھا بھی لے تو اس کا خوب کھانا جو ہے وہ بھی معاف ہوگا۔ مگر ہم کھاتے بھی ڈٹ کے ہیں اور عبادات میں سستی بھی پھر ڈٹ کر کرتے ہیں، یہ چیز غلط ہے۔

زیادہ کھانے کی اصلاح کیسے ہوئی:

حاجی دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک عالم آئے اور وہ کہنے لگے: حضرت

میں زیادہ کھانے کا مریض ہوں اور آپ کی خدمت میں آیا ہوں آپ میری اصلاح فرما دیں۔ پوچھا کتنا کھاتے ہو؟ کہنے لگا: ایک وقت میں ایک بکرا کھاتا ہوں اور ایک ٹوکرا روٹیوں کا اب اس کی تعداد کیسے بتائیں مطلب یہ تھا کہ انبار روٹیوں کا کھاتا ہوں۔ مگر عجیب بات یہ کہ انہوں نے تیسری بات کہی کہ حضرت! میں اتنا کھانے کے بعد عشا کے بعد مصلے پر کھڑا ہوتا ہوں، حافظ قرآن ہوں، فجر تک اللہ کے قرآن کی تلاوت کرتا رہتا ہوں، پوری رات میں قیام میں گزار دیتا ہوں، تو میں اپنی اصلاح کے لیے آپ کے پاس آیا ہوں۔ حضرت نے کہا کہ بہت اچھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر نصیحت ہوتی رہی تو نصیحت کے بعد جب کھانے کا وقت آیا تو حضرت نے لنگر پر جو آدمی تھا، اس سے کہا کہ ان مولانا کو بھی دو چپاتیاں اور دو ہڈیاں دے دیں۔ جب مولانا صاحب نے سنا کہ دو چپاتیاں اور دو ہڈیاں تو بڑے پریشان ہوئے مگر اللہ کی شان جب کھانے بیٹھے تو کہتے ہیں کہ میں کھا کھا کے تھک گیا چپاتی ختم ہوتی تھی، نہ سالن ختم ہوتا تھا، حتیٰ کہ میں نے بچا دیا اور حضرت سے معافی مانگی۔ اور حضرت سے کہا کہ حضرت! اب مجھے آپ بیعت فرمالیں۔ تو وہ تو اصل میں بزرگوں کی دعا تھی۔ بتانا یہ تھا کہ اگر عبادت کرنے والا بندہ ہو تو اگر وہ زیادہ بھی کھائے تو کوئی ایسی بات نہیں۔

ہم کتنا کھائیں؟

ہم جیسے لوگوں کے لیے یہ ہے کہ اتنا کھائیں جس سے کمر سیدھی رہے۔ کیونکہ بالکل نہیں کھائیں گے تو پھر روٹی تو نہیں کھائیں گے اس کی جگہ پھر ہم گولیاں کھائیں گے، بیمار ہوئے پڑے ہوں گے۔ اس لیے آج کے زمانے میں بھوک کے وہ مجاہدے نہیں ہیں کہ اتنا کھائے کہ ضرورت کے مطابق پورا ہو جائے اور اس کے بعد اپنا وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزار دے۔

چوتھا زہر

فضول المخالطت

چوتھی چیز جو انسان کے قلب پر اثر انداز ہوتی ہے وہ ہے:

فضول المخالطت

''فضول میل جول''

لوگوں کے ساتھ کثرتِ اختلاط۔ اگر دین کی خاطر لوگوں سے ملنا ہو تو یہ نیکی اور عبادت ہے اور اگر دوستی یاری گپ شپ کے لیے ملنا ہو تو یہ چیز انسان کے لیے مضر ہوتی ہے۔ اس کی بزرگوں نے چار کیٹیگریز بنائی ہیں۔

(۱) غذا کی مانند مجالس:

وہ فرماتے ہیں کہ کچھ مجلسیں تو انسان کے لیے غذا کی مانند ہیں۔ جیسے غذا کھانے سے انسان کو زندگی ملتی ہے نہیں کھائے گا تو مر جائے گا، ایسے ہی کچھ ایسی مجالس ہوتی ہیں جن میں بیٹھنے سے انسان کو روحانی زندگی ملتی ہے اور یہ لازمی ہوتی ہیں۔ یہ ہوتی ہیں علما اور صلحا کی مجالس۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِمَجَالِسَةِ الْعُلَمَاءِ وَ سَمَاعِ كَلَامِ الْحُكَمَاءِ

''تم پر علما کی مجالس میں بیٹھنا اور حکما کی باتوں کو سننا لازم ہے''

تو ان مجالس میں بیٹھنا انسان پہ لازم ہوتا ہے، جیسے روٹی کھانے سے جسم کو زندگی ملی، ایسے ہی ان اللہ والوں کی باتوں سے انسان کی روح کو زندگی ملی۔ تو اس کا درجہ غذا کی مانند ہے۔ ان اکابر کی مجالس دوا، اوران کی نظر شفا ہے۔

نامی گرامی ڈاکو اللہ کا ولی کیسے بنا؟

چنانچہ کتنے واقعات ایسے ہیں کہ اللہ والوں کی تھوڑی دیر کی محفل ملی اور ساتھ ہی زندگی بدل گئی۔

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک ڈاکو تھا، وہ چھوٹی عمر میں تھا کہ کسی بات میں اس کے والد نے اس کو بہت مارا اور گھر سے نکل گیا اور آوارہ بن گیا۔ اس قسم کے لڑکے جو بے گھر ہو جاتے ہیں تو یہ پھر بری سوسائٹی میں پڑ کر بڑے بدمعاش بن جاتے ہیں۔ اب چونکہ اس کا کوئی سہارا نہیں تھا، بھوکا تھا، کھانا نہیں تھا، اس نے کسی کی کوئی چھوٹی سے چیز چرا لی اور پکڑا گیا تو انہوں نے پولیس کے حوالے کر دیا۔ پولیس والوں نے اس کو اتنا مارا اتنا مارا کہ اس کے اندر انتقامی جذبہ پیدا ہو گیا۔ حالانکہ وہاں جاتا تو بندہ اصلاح کے لیے لیکن کئی مرتبہ اصلاح کی بجائے الٹا اس کو اور بڑا بدمعاش بنا دیتے ہیں۔ تو جب انہوں نے اس کو بہت مارا تو ضد میں آ کر کہنے لگا: اچھا پہلے میں نے چھوٹی چوری کی تھی اب میں بڑی چوری کروں گا۔ چنانچہ جب یہ باہر نکلا تو اس نے باقاعدہ چوری کرنے کو اپنا پروفیشنل بنا لیا۔ کیونکہ جوان تھا لہٰذا اس کو اس طرح کے لوگ بھی مل گئے، اس پورے گینگ میں یہ سب سے زیادہ تیز طرار تھا۔ حتیٰ کہ یہ اتنا بڑا ڈاکو بن گیا کہ پورے علاقے کے لوگ اس کا نام سن کے ڈرتے تھے، مائیں اپنے بچوں کو اس کا نام لے کر ڈرایا کرتی تھیں۔

خیر بہت عرصہ یہ ڈاکے مارتا رہا، قابو نہیں آتا تھا، چھپ جاتا تھا۔ ایک ایسا موقع آیا کہ یہ پکڑا گیا کیونکہ چوری کی تھی، قاضی کی عدالت میں آیا تو قاضی نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا کہہ دیا، چنانچہ ہاتھ کٹ گیا اور اس کو کچھ جیل میں بھی رہنا پڑا۔ آٹھ دس سال کے قریب تو یہ جیل میں رہا مگر اس کے اندر سے وہ ڈاکہ مارنے سے نفرت نہ پیدا

ہوئی۔ دس سال کے بعد ابن ثبات جیل سے نکلا پہلے کی نسبت کمزور ہو گیا تھا، کہنے لگا نہیں، اب میں باہر آ گیا ہوں، آج رات کہیں نہ کہیں ڈاکہ ماروں گا، دس سال کے بعد بھی یہ کہہ رہا ہے۔ چنانچہ بغداد کے قریب کرخ ایک چھوٹی سی بستی تھی، یہ وہاں چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیں کہ اس کو ایک بڑے دروازے والا گھر نظر آیا، دیوار کے اوپر سے اندر گیا تو اس نے دیکھا کہ وہاں تو کپڑا ہی کپڑا پڑا ہوا ہے، لگتا تھا کہ کوئی کپڑے کا تاجر ہے۔ اب اس کا ہاتھ ایک اور کپڑے بہت سارے تھے، اس کا جی چاہے کہ سب اٹھاؤں اور لے جاؤں مگر اٹھا ہی نہیں سکتا تھا۔ اب حیران ہے سوچ رہا ہے کہ کیا کروں؟ تو اتنی دیر میں ایک آدمی موم بتی لیے وہیں آ گیا تو یہ ذرا گھبرایا۔ جب یہ گھبرایا وہ تو اس کو کہتا ہے کہ گھبراؤ نہیں میں تمہارا ساتھی ہوں، تو یہ ذرا ہمت میں آ گیا کہتا ہے کہ اگر تم میرے ساتھی ہو تو میں پہلے آیا ہوں، حق میرا بنتا ہے، اس نے کہا کہ ٹھیک ہے کہنے لگا کہ یہاں سے سیلیکشن میں کرتا ہوں اور تم گٹھڑی بندھواؤ، سحری ہونے میں تھوڑا وقت ہے اور جلدی ہم یہاں سے جائیں۔ اس نے کہا: ٹھیک! اب اس بندے نے اس کے کہنے کے مطابق وہ کپڑے جو تھے علیحدہ کیے، ایک چھوٹی گٹھڑی بنائی اور ایک بڑی گٹھڑی بنائی اور اس کو کہا کہ آپ کیونکہ ایک ہاتھ سے اٹھائیں گے تو آپ یہ چھوٹی گٹھڑی اٹھالیں اور بڑی گٹھڑی میں اٹھاتا ہوں لیکن میں پہنچا آپ کی جگہ پر دوں گا۔ اس نے کہا کہ ہاں بالکل ٹھیک مگر ابن ثبات کو ڈر ہوا کہ کہیں یہ میرے پیچھے لے کر سلپ ہی نہ ہو جائے، مجھے ہی نہ ہاتھ دکھا جائے تو اس نے کہا: اچھا پھر تم میرے آگے آگے چلو۔ اب اس بندے نے اتنی بڑی گٹھڑی سر پہ رکھی اور آگے آگے، یہ تو ہلکا تھا یہ اس کو کہہ رہا ہے کہ جلدی چلو جلدی چلو وہ چل تو رہا ہے مگر کچھ دور چل کر تھک گیا وزن جو زیادہ تھا۔ ابھی یہ اس کو گالیاں بھی نکال رہا ہے

کہ صبح ہو جائے گی فاصلہ بہت ہے جلدی کر۔حتیٰ کہ ایک جگہ اس کو اتنا غصہ آیا کہ اس نے پیچھے سے اس کی کمر میں ایک لات ماری۔اب سر پر بوجھ ہو اور پیچھے سے لات پڑے تو وہ تو منہ کے بل گرا اور اٹھ کر کہنے لگا کہ آپ مجھ پر ناراض نہ ہوں میں کوشش تو کر رہا ہوں مگر بوجھ اتنا زیادہ ہے کہ مجھ سے اٹھایا نہیں جا رہا۔اس نے کہا: جلدی کرو۔اس نے پھر اپنے سر پر گٹھڑی رکھی اور ذرا اور تیز پسینے میں شرابور ہانپتا کانپتا اس گھر تک پہنچ گیا، جہاں ابنِ ثبات نے جانا تھا۔اور اس نے وہ پہنچائی اور پہنچا کے اس نے کہا بھائی اب صبح کا وقت ہو گیا، اب مجھے آپ اجازت دیں اب کل ملاقات ہو گی۔اس نے کہا کہ ہاں میں عصر کے وقت میں کل نئی تجویز بناؤں گا تم مجھے ملنا آکر اور پھر ہم مل کر جائیں گے مشن پر، وہ بندہ چلا گیا۔

اگلے دن ابنِ ثابات کے دل میں خیال آیا کہ کل جس مکان میں ہم نے ڈاکہ مارا مال تو بہت پڑا تھا، پتہ کروں کہ کسی کو پتہ بھی چلا یا نہیں، اگر نہیں چلا تو آج اور اٹھا کے لے آئیں گے۔تو ظہر کے بعد ابن ثابات وہاں پہنچا تو دیکھا کہ لوگ آ رہے ہیں اور اس گھر میں جا رہے ہیں، ایک کو دیکھا، دوسرے کو دیکھا، تیسرے کو دیکھا، حیران ہوا، پوچھا کہ کیوں جا رہے ہو؟ بھائی کپڑے کے خریدار ہو؟ انہوں نے کہا کہ نہیں یہ ہمارے شیخ کا گھر ہے، کونسے شیخ کا گھر؟ جی جنید بغدادی کا گھر ہے۔اس نے جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا نام تو سنا ہوا تھا۔تو ابن ثابات کے دل میں خیال آیا کہ میں دیکھوں تو صحیح کہ جنید بغدادی کون ہیں؟ اب یہ بھی دو چار بندوں کے پیچھے ہو کر تو اندر چلا گیا۔ اللہ کی شان کیا دیکھا کہ مریدوں کا مجمع لگا ہوا ہے اور جس بندے نے رات اس کو گٹھڑی پہنچائی تھی، وہ جنید بغدادی سامنے بیٹھا ان کو نصیحت کر رہا تھا۔وہ حیران ہو گیا کہ اتنے بڑے شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور انہوں نے رات میری گٹھڑی پہنچائی اور

گھر بھی انہیں کا، اب جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو پہچان لیا۔ خیر مجلس ختم ہوگئی، سب لوگ اپنے گھروں کو چلے گئے تو جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور وہ رہ گئے تو یہ ان سے پوچھتا ہے کہ جی آپ تو شیخ تھے رات میرے شاگرد بن گئے؟ تو فرمانے لگے کہ میں نے تجھے پہچان لیا تھا کہ تو ابنِ ثابات ہے میں نے دیکھا کہ تمہارا ایک ہاتھ ہے اور تم مال لے جانا چاہتے ہو تو میں نے سوچا کہ تمہیں ضرورت ہے اور تم لے جانے کی طاقت نہیں رکھتے تو چلو میں ہی تمہارے گھر پہنچا دوں۔ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ الفاظ اتنے خلوص سے کہے کہ ابن ثابات کے دل کی دنیا بدل گئی۔ کہنے لگا کہ میں نے تو ایک انسانوں کا طبقہ دیکھا تھا، پولیس والوں کو جنہوں نے مجھے اتنا مارا، اتنا مارا، اتنی مجھ سے زیادتی کی کہ مجھے ڈاکو بنا دیا، میں نے ایسے انسان تو نہیں دیکھے جو اتنے خیر خواہ ہوتے ہیں۔ کہنے لگا کہ میں آج یہاں سے ایسے نہیں جانا چاہتا، میں سیکھنا چاہتا ہوں زندگی کو، چنانچہ ابن ثابات ان سے بیعت ہوا اور پکی توبہ کر لی۔ ساری دنیا کی سزائیں جو بارہ سال کے قریب اسے ملتی رہیں، جس ڈاکو سے توبہ نہ کروا سکیں، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی محبت اور دل کے خلوص نے ایک رات میں اس دل کو جیت لیا۔ چنانچہ بیعت ہو گیا، حضرت کی خدمت میں آتا رہا تھوڑے عرصے کے بعد حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت پائی اور ان کے خلفا میں سے ہوا۔

یہ ابن ثابات ہے جس کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب مسئلہ خلق قرآن پیش ہوا تو اس وقت اتنا زیادہ میرے اوپر پریشر تھا کہ ایک دن میرے دل میں خیال آیا کہ احمد بن حنبل! شریعت نے جان بچانے کے لیے حیلہ کرنے کی اجازت دی ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الحیل لکھی ہے کہ حیلہ ایسی صورت میں بندہ کیسے کر سکتا ہے تو میں بھی اپنی جان بچانے کے لیے کوئی حیلہ کیوں نہ کرلوں؟

فرماتے ہیں کہ میرے ذہن میں یہ سوچ آئی اور میں اپنے گھر سے باہر نکلا تو مجھے ایک بندہ ملا جس کا ہاتھ کٹا ہوا تھا اور میرے قریب آ کر مجھے کہنے لگا: احمد بن حنبل! میں مشہور اور بدنامِ زمانہ ڈاکو رہا ہوں اور ان پولیس والوں کے درے مجھے چوری سے نہیں روک سکے، کہیں ان دروں کے ڈر سے حق سے پیچھے نہ ہٹ جانا۔ کہتے ہیں: وہ بات کر کے چلا گیا لیکن میرے دل کو ایک نئی زندگی دے گیا، میں نے یہ فیصلہ کیا کہ اب اگر مجھے جان سے بھی مار دیا جائے تو میں حق کی بات کروں گا۔ اس کے بعد امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ وہ واقعہ پیش آیا کہ ان کو درے لگے تھے۔ اور جب بعد میں اللہ نے ان کو صحت دے دی تو پھر ابن ثابات کا نام لے کر فرمایا کرتے تھے کہ میں اس محسن کا احسان اپنی زندگی میں کبھی نہیں بھول سکتا۔

تو یہ اللہ والوں کی ایسی مجالس ہوتی ہیں کہ ایسے ایسے بدنامِ زمانہ ڈاکو بھی ان کی صحبت میں آ کر پھر وقت کے اولیا بن جاتے ہیں۔ اس لیے یہ صحبتیں انسان کے لیے غذا کی مانند ہیں۔

(۲) دوا کی مانند مجالس:

کچھ صحبتیں انسان کے لیے دوا کی مانند ہیں، دوا کا مطلب کہ اس کے بغیر انسان کو آرام نہیں آتا۔ مثال کے طور پر کاروباری میل میلاپ، یہ کاروباری انداز سے ملنا، یہ دوا ہے کیونکہ رزق حلال نہیں ہوگا تو گھر کی گاڑی نہیں چلے گی۔ اسی طرح اپنے بیوی بچوں سے ملنا یہ بھی دوا ہے، اگر نہیں ملیں گے تو ہمارے اندر کی یہ جو ضرورتیں ہیں، جذبات کی خواہشات کی یہ کیسے پوری ہوں گی؟ تو گھر والوں سے میل ملاپ رکھنا، بچوں سے میل ملاپ کاروباری میل ملاپ رکھنا یہ ساری دوا کی محفلیں ہیں۔

(۳) داء کی مانند مجالس:

ایک تیسری محفل ہے جس کو داء کی محفل کہتے ہیں۔ داء کا مطلب ہے بیماری کہ وہ محفلیں بیماری کا ذریعہ بنتی ہیں۔ یہ محفل ہوتی ہے اہلِ دنیا کی صحبت، جو دین سے ایک طرف دنیا سمیٹنے میں لگے ہوئے ہوں، ان اہلِ دنیا کی صحبت انسان کے لیے داء کی مانند ہوتی ہے، بیماری کی مانند ہوتی ہے، یہاں سے بیماری بندے کو بھی لگ جاتی ہے۔ ہم نے دیکھا کہ کمپیوٹر والے کے ساتھ ایک دو مہینے آنے جانے کا تعلق رکھیں تو بیٹھا کہہ رہا ہوتا ہے کہ جی میں بھی کمپیوٹر کا کاروبار کرنا چاہتا ہوں۔ صحبت کا اثر ہو جاتا ہے۔

(۴) زہر کی مانند مجالس:

اور ایک چوتھی محفل ہوتی اس کے بارے میں فرمایا کہ وہ انسان کے لیے زہر کی مانند ہے یہ مجلس کون سی ہے "ناجنس کی صحبت" ناجنس کہتے ہیں کہ فاسق فاجر بندہ جو دین کے اوپر نہ چلتا ہو۔ اس کے ساتھ میل جول رکھنا اور اس کی باتوں کا اثر لینا، اس کو ناجنس کہا گیا۔ ایک ہے دعوت کی نیت سے ملنا، وہ تو ہر بندے سے ملنا چاہیے چاہے فاسق ہو یا کافر، کوئی بھی ہو داعی بن کے انسان دنیا کے ہر بندے سے مل سکتا ہے۔ لیکن مدعو بن کر ملنا اس کو منع کیا ہے، کیونکہ ایسی دوستی ہے تو کچھ عرصے کے بعد وہ اپنا فسق و فجور اس بندے کے اندر ڈالے گا۔ عام طور پر ہم نے اپنے نوجوانوں کو دیکھا کہ اچھا بھلا بچہ سکول میں چند برے بچوں کی صحبت اختیار کرتا ہے اور تھوڑے دنوں کے بعد انہی کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ یہ مجلس انسان کے لیے زہر کی مانند ہوتی ہے۔ اسی لیے ناجنس کی صحبت انسان کے لیے زہر کی مانند ہے۔

دو مجالس کو اختیار کریں، دو کو ترک کریں:

چنانچہ دو مجالس ہیں جو انسان اختیار کرے، ایک اللہ والوں کی مجلس، علما صلحا نیک دین داروں کی مجلس کہ وہ انسان کے لیے غذا ہوتی ہے اور ایک اہلِ خانہ اور کاروباری تعلق والوں کی محفل اس لیے کہ وہ انسان کے لیے دوا ہوتی ہے۔ اور باقی چیزوں سے انسان بچے۔ اگر ملنا ہو تو دین کی دعوت کی نسبت سے ملے ورنہ پرے رہے، اس لیے بسا اوقات ہم نے دیکھا کہ برے ساتھی کا ایک فقرہ دوسرے بندے کو بہت بڑی خیر سے محرومی کا سبب بن جاتا ہے۔

نال کسنگی سنگ نہ کریئے:

ہمارے ہاں ایک بزرگ گزرے ہیں۔ حضرت باہو رحمۃ اللہ علیہ انہوں نے پنجابی میں اشعار کہے ہیں، مجھے پکا پتہ ہے کہ آپ کو سمجھ تو نہیں آئے گی لیکن میں سناؤں گا ضرور، اس لیے کہ برکت ہوتی ہے۔ آپ شروع میں نہیں سمجھیں گے یہ عاجز اس کا ترجمہ کر کے سمجھا دے گا، مگر اللہ والوں کا کلام برکت والا کلام ہے، اس کلام کو سننے سے بھی برکت نصیب ہوتی ہے۔ ان کے اشعار جتنے بھی ہیں ہر شعر کے آخر میں ''ہو'' کا لفظ آتا ہے، فرماتے ہیں:

نال کسنگی سنگ نہ کریے تے کڑنوں لاج نہ لایئے ہو

''تو فرماتے ہیں کہ برے دوست سے ہم دوستی نہ کریں اور اپنے بڑوں کو دھبہ نہ لگائیں۔''

کوڑے کھوکدی مٹھے نہ ہوندے بھاویں لکھ مناں گڑ پایئے ہو

''اور کڑوے کنوئیں کبھی میٹھے نہیں ہوتے چاہے ان میں لاکھ من گڑ ڈال

دیں۔"

جو کڑوا کنواں ہے وہ کڑوا ہی رہے گا، لاکھ من گڑ ڈالنے سے بھی اس کی کڑواہٹ ختم نہیں ہوتی۔

کانواں دے پتر ہنس نہ بندے بھاویں موتی چوگ چگائیے ہو

"اور کوّے کا بچہ کبھی ہنس نہیں بن سکتا چاہے اسے تم موتیوں کی غذا کھلاتے رہو۔"

اب کوے کے بچے کو موتی کھلانے شروع کر دیں تو وہ ہنس تو نہیں بن جائے گا کوا ہی رہے گا۔

سپاں دے پتر کدی متر نہ ہوندے بھانویں چلیاں دودھ پلائیے ہو

"اور سانپ کے بچے کبھی وفادار نہیں ہوتے چاہے تم اپنے چلو (مٹھی) میں دودھ پلاتے پھرو۔"

جب ذرا بڑا ہوا تو وہ تمہیں ضرور ڈسے گا، ہے جو سانپ کا بچہ۔

تنبے کدی تربوز نہ ہوندے بھانویں توڑ مکے لے جائیے ہو

تنبہ کہتے ہیں "حنظل" کو یہ ایک پھل ہوتا ہے جو انتہائی کڑوا ہوتا ہے، ظاہری شکل تربوز کی سی ہوتی ہے اور اتنا سا ہوتا ہے اگر صبح کے وقت بندہ اس کو زبان پہ لگا لے تو شام تک اس کی کڑواہٹ ختم نہیں ہوتی۔ حدیث پاک میں بھی حنظل کا تذکرہ آیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جو ہو ہی ایسا کڑوا پھل اس پھل کو تم مکے ہی کیوں نہ لے کر چلے جاؤ، یہ پھل کبھی تربوز بن ہی نہیں سکتا۔ تو وہ فرماتے ہیں کہ ناجنس کچھ ایسے شقی قسم کے لوگ ہوتے ہیں کہ تنبے کی مانند تم انہیں مکے بھی لے جاؤ تو تربوز وہاں بھی نہیں بن جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بری صحبت سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے اور نیک صحبت میں پوری زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مناجات

ہوا و حرص والا دل بدل دے
میرا غفلت میں ڈوبا دل بدل دے
بدل دے دل کی دنیا دل بدل دے
خدایا فضل فرما دل بدل دے
رہوں بیٹھا میں اپنا سر جھکا کر
سرور ایسا عطا کر دل بدل دے
گنہگاری میں کب تک عمر کاٹوں
بدل دے میرا رستہ دل بدل دے
سنوں میں نام تیرا دھڑکنوں میں
مزہ آجائے مولا دل بدل دے

سہل فرما مسلسل یاد اپنی
خدایا رحم فرما دل بدل دے

یہ کیسا دل ہے سینے میں الٰہی
جو زندہ بھی ہے مردہ دل بدل دے

تیرا ہو جاؤں اتنی آرزو ہے
بس اتنی ہے تمنا دل بدل دے

پڑا ہوں تیرے در پر دل شکستہ
رہوں کیوں دل شکستہ دل بدل دے

کروں قربان اپنی ساری خوشیاں
تو اپنا غم عطا کر دل بدل دے

جو ہو دیدار تیرا روز محشر
تو دیکھے مسکرا کر دل بدل دے

رہوں میں سر بسجدہ تیرے در پر
خشوع ایسا عطا کر دل بدل دے

ہٹالوں آنکھ اپنی ماسوا سے
جیوں میں تیری خاطر دل بدل دے

میری فریاد سن لے میرے مولیٰ
بنالے اپنا بندہ دل بدل دے

﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ o إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ o﴾ (الشعرا: ۸۸،۸۹)

قلبِ سلیم

بیان: محبوب العلما والصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 8 نومبر 2004ء ۲۵ شب رمضان ۱۴۲۵ھ

مقام: نور مسجد لوسا کا زیمبیا (افریقہ)

موقع: خصوصی مجالس برائے اعتکاف

اقتباس

جسموں کو غذا کی ضرورت ہوتی ہے، انسان کے دل کو انوار و برکات کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس طرح مردہ زمین کے اوپر بارش آجائے تو زندہ ہو جاتی ہے اسی طرح جب مردہ دلوں کے اوپر انوار و برکات کی بارش آتی ہے تو وہ بھی زندہ ہو جاتے ہیں۔ خوف خدا آجاتا ہے، ان میں خشیت الٰہی آجاتی ہے، ان میں محبت الٰہی آجاتی ہے، ان میں نیکی کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ چیزیں اس دل کو زندہ کر دیتی ہیں۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

قلبِ سلیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O
﴿یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ O اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ O﴾
وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم
((اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلَا اِلٰی اَمْوَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَّنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَ اَعْمَالِکُمْ)) (صحیح مسلم: رقم ۴۶۵۱)
سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ O وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ O وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

آج کا عنوان:

وہ اسباب جن سے انسان کا دل مریض بنتا ہے ان کے بارے میں کل سیر حاصل گفتگو ہوئی آج کی محفل میں ان اسباب کے متعلق گفتگو ہوگی جو انسان کے دل کی زندگی کا سبب بنتے ہیں۔ جن اعمال کی وجہ سے مردہ دل زندہ ہوتے ہیں، بیمار دل صحت مند ہوتے ہیں، قلبِ سقیم قلب سلیم بن جاتے ہیں۔ جن سے انسان کے سینے میں قلب میت کی بجائے قلب حی (زندہ دل) بن جاتے ہیں۔

جسم کی غذا اور قلب کی غذا:

جس طرح ہمارے جسموں کو زندہ رہنے کے لیے غذا کی ضرورت ہے، اسی طرح

ہمارے دلوں کو زندہ رہنے کے لیے انوار کی ضرورت ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا:

تَحْتَاجُ قُلُوْبُ اِلٰی اَقْوَاتِ حَامِلِ الطَّعَامِ کَمَا یَحْتَاجُ الْاَجْسَامُ اِلٰی اَقْوَاتِ حَامِلِ الطَّعَامِ

کہ دل اصل میں غذا کے اسی طرح محتاج ہوتے ہیں جس طرح کہ انسانوں کے جسم اپنی جسم کی زندگی کے لیے خوراک کے محتاج ہوتے ہیں۔

تو جسموں کو غذا کی ضرورت ہوتی ہے، انسان کے دل کو انوار و برکات کی ضرورت ہوتی ہے۔جس طرح مردہ زمین کے اوپر بارش آجائے تو زندہ ہوجاتی ہے اسی طرح جب مردہ دلوں کے اوپر انوار و برکات کی بارش آتی ہے تو وہ بھی زندہ ہو جاتے ہیں۔خوف خدا آجاتا ہے، ان میں خشیت الٰہی آجاتی ہے، ان میں محبت الٰہی آجاتی ہے، ان میں نیکی کا شوق پیدا ہوجاتا ہے۔ یہ چیزیں اس دل کو زندہ کر دیتی ہیں۔

چنانچہ انسان جس طرح کھانے پینے کا محتاج ہے اسی طرح وہ عبادت کا بھی محتاج ہے۔ جیسے کھانا پینا ہماری ضرورت ہے اسی طرح عبادت بھی ہماری ضرورت ہے۔ کھانا پینا بند ہو جائے گا تو جسمانی موت آجائے گی، اگر عبادت چھوڑ دیں گے تو روحانی موت آجائے گی۔

جسم کے مزے اور دل کے مزے:

اگر جسمانی صحت ہو تو انسان کو دنیا میں مزے ملتے ہیں، جس بندے کی اچھی صحت ہوگی، کھانے پینے کے بھی مزے، ملنے جلنے کے بھی مزے، بھاگ دوڑ کے بھی مزے۔ تو جس طرح دنیا کے مزے جسمانی صحت کے ساتھ وابستہ ہیں، اسی طرح

عبادت کے مزے روحانی صحت کے ساتھ وابستہ ہیں۔

ایک آدمی اگر بیمار ہو تو کھانا بھی انجوائے نہیں کر سکتا، آپ اسے کہیں کہ کھالے وہ کہے گا میرا جی نہیں چاہتا۔ کئی مرتبہ آپ اسے پانی دیں تو پانی اسے کڑوا لگتا ہے۔ منہ کا ذائقہ بدل جاتا ہے، تو چیزیں کڑوی محسوس ہوتی ہیں، ذائقہ اچھا نہیں لگتا، بیمار جو ہوا۔ تو جسم بیمار ہو تو جسمانی مزوں سے انسان محروم ہو جاتا ہے، جب دل بیمار ہو تو انسان روحانی مزوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ ہم جو کہتے ہیں نا حلاوتِ ایمان، عبادت کی لذت، سجدے کا سرور، ان سب نعمتوں کا تعلق انسان کے دل کے ساتھ ہے، جب دل بن جاتا ہے تو ہر چیز کے مزے محسوس ہوتے ہیں۔ آپ دیکھیں! دستر خوان پر آپ کو سالن کا مزہ اور آئے گا، پلاؤ کا مزہ اور آئے گا آئسکریم کا مزہ اور آئے گا اور اگر گیم میٹ پکا ہوا ہے تو اس کے سٹیکس کھانے کا مزہ اور آئے گا، کڑھی کھچڑی کھانے کا مزہ اور آئے گا۔ کھانے کا ایک ہی دستر خوان ہے مگر ہر ہر کھانے کے مزے جدا جدا ہیں اور صحت مند آدمی ان مزوں کو محسوس کر سکتا ہے۔

بالکل اسی طرح جب دل صحت مند ہوتا ہے اور زندہ ہوتا ہے تو انسان مختلف اعمال کے مزوں کو محسوس کرتا ہے۔ پھر ذکر کا مزہ اور ہوتا ہے، تلاوتِ قرآن کا مزہ اور ہوتا ہے، نماز کا مزہ کچھ اور ہوتا ہے، سچ بولنے کا مزہ کچھ اور ہوتا ہے، رات کے آخری پہر میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے رونے کا مزہ کچھ اور ہوتا ہے۔

جسم کی موت اور دل کی موت:

جسمانی موت انسان کو دنیا سے جدا کر دیتی ہے، دل کی موت یا روحانی موت انسان کو اپنے پروردگار سے جدا کر دیتی ہے۔ اس لیے روحانی موت بہت زیادہ نقصان دہ ہے۔

ایک بزرگ فرماتے تھے:

یَا عَجَبًا! اَلنَّاسُ یَبْکُوْنَ عَلٰی مَنْ مَّاتَ جَسَدُہٗ

''لوگ روتے ہیں اس پر جس کا جسم مرجائے''

وَلَا یَبْکُوْنَ عَلٰی مَنْ مَّاتَ قَلْبُہٗ وَ ھُوَ اَشَدُّ

''اور نہیں روتے اس پر جس کا دل مرجائے حالانکہ دل کی موت زیادہ بری موت ہوتی ہے''
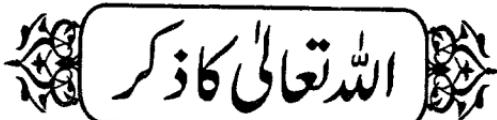
توکسی کا جسم مرجائے تو اتنا روتے ہیں اور کسی کا دل مرجائے تو کچھ افسوس نہیں ہوتا۔

دل کی شفا اور زندگی کے اسباب:

اب یہ مردہ دل زندہ کیسے ہوگا؟ سیاہ دل نورانی کیسے ہوگا؟ بیمار دل صحت مند کیسے ہو؟ ہر بندے کی یہ خواہش ہے کہ مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں اپنے دل کی شفا کے لیے کیا کرسکتا ہوں؟ ہمارے مشائخ نے اس کے اسباب لکھیں ہیں۔ جو آج کی محفل میں بیان کیے جائیں گے۔

پہلا سبب

فرمایا کہ سب سے پہلا سبب جو انسان کے دل زندہ ہونے کا سبب بنتا ہے وہ ہے:

ذِکْرُ اللّٰہِ

اللہ تعالیٰ کی یاد

یہ ذکر کا لفظ کافی وسیع لفظ ہے اور کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً:

اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے بھی استعمال ہوا۔

﴿فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ﴾ (البقرۃ:۱۵۲)

’’تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا‘‘

قرآن مجید کے لیے بھی استعمال ہوا:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (الحجر:۹)

’’ہم نے ہی اس نصیحت نامے کو نازل کیا اور اس کی حفاظت کے بھی ہم ہی ذمہ دار ہیں‘‘

قیامت کے بارے میں بھی ذکر کا لفظ استعمال ہوا۔

لیکن ہم جس ذکر کا تذکرہ کر رہے ہیں اس ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کی یاد ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی یاد کثرت کے ساتھ کریں، لیٹے بیٹھے چلتے پھرتے، اللہ رب العزت کو یاد کریں۔

لیٹے بیٹھے چلتے پھرتے آٹھ پہر ہو اللہ اللہ اللہ اللہ

ہر وقت انسان کا دل اللہ تعالیٰ کی یاد کے ساتھ وابستہ ہو، جیسے محبّ کو ہر وقت محبوب کا خیال دل میں ہوتا ہے، چوبیس گھنٹے ایک لمحہ بھی وہ خیال اس کے دل سے نہیں نکلتا، ایسے مومن کے دل سے کسی لمحے بھی اللہ رب العزت کا خیال دل سے نہیں نکلتا۔

ذکر مومن کے لیے ایسے جیسے مچھلی کے لیے پانی:

چنانچہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب بات لکھی ہے، فرماتے ہیں:

اَلذِّكْرُ لِلْقَلْبِ كَالْمَاءِ لِلسَّمَكِ

کہ دل کے لیے ذکر کی وہی کیفیت ہے جو مچھلی کے لیے پانی کی ہوا کرتی ہے۔

كَيْفَ يَكُوْنُ حَالُ السَّمَكِ اِذَا اُخْرِجَ مِنَ الْمَاءِ

''مچھلی کا کیا حال ہوتا ہے جب اسے پانی سے باہر نکالا جائے''

تو جس طرح پانی سے نکل کے مچھلی تڑپتی ہے اسی طرح غفلت کے ماحول میں جا کے مومن کا دل بیزار ہوتا ہے، مصیبت ہوتی ہے اس کو ایسی محفل میں بیٹھ کر، تڑپتا ہے اور وہاں سے وہ نکلتا ہے۔

ذکر کے فوائد:

چنانچہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ''الوابل الطیب'' میں ذکر کے نوے فائدے گنوائے ہیں۔

◉ ......ان نوے فائدوں میں ایک فائدہ یہ بتایا:

قُوَّتُ الْقُلُوْب يا قُوْتُ الْقُلُوْبِ

دل کی طاقت بڑھتی ہے یا یہ کہ ذکر دل کی غذا ہوتا ہے۔

◉ ......اور دوسرا فائدہ: اس ذکر کی وجہ سے شیطان انسان سے دور بھاگتا ہے۔ جیسے آپ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ پڑھیں تو شیطان کیسے انسان سے دور بھاگتا ہے؟ کسی جگہ پر اذان کہی جائے، حدیث پاک میں آتا ہے کہ شیطان اللہ اکبر کی آواز سن کر بھاگتا ہے وہاں سے۔

◉ ...... یہ ذکر اللہ رب العزت کی رضا کا سبب بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ذکر کرنے والے بندے سے خوش ہوتے ہیں کہ میرے بندے نے مجھے یاد کیا۔ آپ کو دوست کا فون آئے تو خوشی ہوتی ہے نا کہ میرے دوست نے مجھے یاد کیا، اسی طرح بندہ جب اپنے

پروردگار کو یاد کرتا ہے تو اللہ رب العزت کو بھی وہ بندہ پیارا لگتا ہے کہ اس بندے نے مجھے یاد کیا۔

⊙ ......ذکر غموں سے نجات دیتا ہے۔

يَزِيلُ الْهَمَّ وَ الْغَمَّ مِنَ الْقَلْبِ

''اس ذکر کی وجہ سے دل کے ھم اور غم نکل جاتے ہیں۔''

ھم کہتے ہیں پریشانی کو، غم اور پریشانی ذکر کی وجہ سے انسان کے دل سے نکل جاتے ہیں۔ اسی کو تو کسی نے کہا:

نہ دنیا سے نہ دولت سے نہ گھر آباد کرنے سے
تسلی دل کو ہوتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

⊙ ......اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے سے دل کو سکون ملتا ہے اسی لیے قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴾ (الرعد:۲۸)

''جان لو اللہ تعالیٰ کی یاد کے ساتھ دلوں کا اطمینان وابستہ ہے۔''

⊙ ......ذکر دل کی خوشی کا سبب ہے۔ فرماتے ہیں:

يَجْلِبُ لَهُ الْفَرَحَ

''ذکر کے کرنے سے انسان کو خوشی نصیب ہوتی ہے۔''

⊙ ......چہرہ اور دل پر نور رہتے ہیں۔

يُنَوِّرُ الْقَلْبَ وَالْوَجْهَ

انسان کا دل اور اس کا چہرہ پر نور ہو جاتا ہے۔

آپ دیکھیں گے کہ جو کثرت سے ذکر کرنے والے لوگ ہوں گے ان کے چہرے منور ہوں گے، ان کے چہروں پہ ایک تازگی آجاتی ہے۔ ہوتے تو وہ انسان ہیں

مگر جی چاہتا ہے کہ انسان ان کے چہروں کو دیکھتا ہی رہے۔ وجہ کیا ہوتی ہے کہ یہ لوگ تنہائیوں میں بیٹھ کر خلوت میں بیٹھ کر اتنا اللہ کو یاد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس عبادت کے نور کو جلوت میں ان کے چہروں پہ سجا دیتے ہیں۔ غافل بندے کے اور ذاکر بندے کے چہروں میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے۔

اس لیے آپ اللہ والوں کے چہروں کو دیکھیں تو طبیعت میں سکون آجاتا ہے۔ اور یہ جو پاپ سٹار پھرتے ہیں، ہوائیاں اڑی ہوتی ہیں چہروں پر، کارٹون بنے ہوتے ہیں، عجیب وغریب کپڑے پہنے ہوتے ہیں۔ اچھل کود رہے ہوتے ہیں، ان کے چہروں پہ اگر آپ دیکھیں تو آپ کو خزاں کی افسردگی نظر آئے گی۔ اللہ والوں کے چہروں کو دیکھیں تو آپ کو بہار کی تازگی نظر آئے گی۔

⊙ ......اللہ کی محبت نصیب ہوتی ہے۔

یُوْرِثُهُ مَحَبَّةَ اللّٰهِ

ذکر کرنے سے انسان کو اللہ رب العزت کی محبت نصیب ہو جاتی ہے۔

ذکر سے ذات کی محبت بڑھتی ہے، اس کی مثال سنیں: ایک آدمی بیٹھا ہے اپنا کام کر رہا ہے، ساتھ والے نے آکر اس کو آئسکریم کے بارے میں بتایا کہ اس فلیور کی آئسکریم تو کیا ہی مزے دار ہوتی ہے! تھوڑی دیر اگر وہ تذکرہ کرے گا تو اس کے ذکر سے سننے والے بندے کے دل میں بھی خواہش ہو گی کہ اچھا بھئی منگاؤ کھا لیتے ہیں۔ تو ذکر سے ذات کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح جب انسان اللہ رب العزت کا ذکر کثرت سے کرتا رہتا ہے تو اس کے دل میں اللہ رب العزت کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

⊙ ......ذکر کی کثرت سے انسان کے گناہ دھل جاتے ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں

ہے۔

﴿اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ (ھود:۱۱۴)

''نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔''

تو ذکر کی برکت سے انسان کے دل سے گناہوں کی ظلمت مٹا دی جاتی ہے۔

◉ ...... یہ ذکر اتنا اہم ہے کہ اگر انسان باقاعدگی سے کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے پسندیدہ بندوں میں شامل فرما لیتے ہیں۔

◉ ...... ذاکر کی مثال اور غافل کی مثال ایک حدیث پاک کے مطابق:

((كَمَثَلِ الْحَيِّ وَ الْمَيِّتِ))

زندہ اور مردہ کی مانند ہے۔

ذکر کرنے والا زندہ اور ذکر نہ کرنے والا مردہ ہے۔

ذکرِ قلبی کیا ہے؟

ذکر زبان سے بھی ہوسکتا ہے اور دل سے بھی مگر زبان سے ذکر انسان ہر وقت نہیں کرسکتا، تھوڑی دیر کرے گا زبان تھک جائے گی۔ پھر زبان کو اور بھی کام ہوتے ہیں، مثلاً: کسی سے گفتگو کرتے ہوئے یہ گفتگو کرے یا ذکر کرے، کھانا کھاتے ہوئے یہ کھانا کھائے یا ذکر کرے۔ تو کتنے مواقع ایسے ہیں کہ زبان دوسرے کام میں مشغول ہوتی ہے اور انسان ذکر نہیں کرسکتا۔ مگر ذکرِ قلبی ایسا ہے کہ ہر حال میں انسان ذکرِ قلبی کرسکتا ہے۔ حتیٰ کہ کھانا کھاتے ہوئے بھی دل اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، بات چیت کرتے ہوئے بھی دل اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ ہمارے مشائخ نے لکھا کہ بیوی کے ساتھ میل ملاپ کرتے ہوئے بھی دل اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، چلتے پھرتے لیٹے بیٹھے ہر وقت میں دل اللہ کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ تو یہ چوبیس گھنٹے کا ذکر ہے، ہر

وقت انسان کا دل اللہ رب العزت کی طرف متوجہ ہو۔

دل کا ونڈوز پروگرام:

اور آج کے دور میں اس کو سمجھنا آسان ہے۔ دیکھیں ذرا توجہ فرمائیں! آج کل کمپیوٹر کا ایک پروگرام ہے جس کو کہتے ہیں ''ونڈوز''۔ لوگوں نے اپنے کمپیوٹر کے اندر اس کو ڈالا ہوتا ہے، اس پروگرام کی خوبی یہ ہے کہ یہ بہت سارے پروگراموں کو سپورٹ کرتا ہے۔ چنانچہ آپ ونڈوز چلائیں اور اس کے بعد آپ نے اگر گرافکس میں کام کرنا ہے تو آپ پینٹ شاپ پروگرام کھولیں اور اپنا کام کریں، مگر بیک گراؤنڈ میں ونڈوز پروگرام چل رہا ہے۔ اس کے بعد آپ نے کوئی شیٹ بنانی ہے تو لوٹس پروگرام کھولیں مگر بیک گراؤنڈ میں ونڈوز پروگرام چل رہا ہے۔ اس کے بعد آپ نے ٹائپنگ کرنی ہے تو پرنٹ شاپ پروگرام نکالیں، اپنا لیٹر آپ ٹائپ کر کے پرنٹ کر لیں مگر پیچھے ونڈو چل رہی ہے۔ جو پروگرام آپ کھولیں بند کریں، پیچھے سے ونڈوز سپورٹ اس کو مستقل مل رہی ہوتی ہے۔

بالکل اسی طرح اللہ رب العزت کی یاد ہماری زندگی کا ونڈوز پروگرام ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں، میرے بندے! یہ پروگرام تو چلنا ہی چاہیے، ہاں کھانے کے لیے تم دسترخوان بچھاؤ اور فوڈ کا پروگرام کھولو اللہ کی یاد کے لیے۔ پھر تم کتاب کھولو مطالعے کے لیے، اللہ کی یاد کے لیے۔ پھر تم اپنی بیوی بچوں کے ساتھ بیٹھو فیملی پروگرام کو اوپن کرو مگر اللہ کی یاد کے لیے۔ تم جو بھی زندگی کا کام کر رہے ہو ہر پروگرام اوپن کلوز کرتے رہو مگر پیچھے میری یاد کا ونڈوز پروگرام چلتا رہنا چاہیے، اس کے بغیر تمہاری زندگی کا کوئی لمحہ بھی نہیں گزرنا چاہیے۔ چنانچہ ہر وقت ان کے دل اللہ کی یاد کی طرف متوجہ رہنا چاہئیں، ایک لمحہ بھی اللہ کی یاد سے خالی نہیں ہونا چاہیے۔

ایک لمحہ کی موت:

تذکرۃ الاولیا میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک بزرگ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کو ملنے کے لیے گئے۔ راستے میں ایک جگہ پر تھک گئے اور انہوں نے سوچا کہ میں قیلولہ کر لوں، چنانچہ سو گئے۔ جیسے ہی آنکھ کھلی تو انہوں نے دیکھا کہ دو پرندے آپس میں گفتگو کر رہے ہیں، پرندوں کی اپنی بولی ہے۔ یہ اپنا مافی الضمیر بیان (Message Convey) کرتے ہیں، ضروری نہیں کہ یہ پنجابی زبان بولیں یا گجراتی زبان بولیں، ان کی اپنی زبان ہے، وہ سمجھتے ہیں ایک دوسرے کو کیا پیغام ٹرانسفر کر رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی شان کہ اللہ تعالیٰ نے اس بندے کو مَنْطِقُ الطَّيْرِ پرندوں کی بولیوں کا علم دے دیا تھا۔ تو اس نے سنا کہ ایک پرندہ دوسرے کو کہہ رہا تھا کہ افسوس ابو الحسن فوت ہو گئے۔ انہوں نے جو یہ بات سنی تو بڑے غم زدہ ہوئے، میں تو حضرت سے ملنے جا رہا تھا اور حضرت کی وفات ہو گئی، سوچا کہ چلو چلتا ہوں میں ان کے جنازے میں شریک ہو جاؤں۔

تیز تیز چلتے ہوئے وہ شہر پہنچے تو لوگوں کی زندگی معمول کے مطابق بسر ہو رہی تھی۔ ان کے محلے میں پہنچے تو کوئی ہلچل (Activity) نظر نہیں آتی، ان کی گھر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا تو دیکھا کہ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ سامنے کھڑے ہیں۔ بڑے حیران کہ پرندے تو کچھ بات کر رہے تھے اور یہاں معاملہ کچھ اور ہے۔ تو انہوں نے حضرت سے یہ بات کہہ دی کہ حضرت! میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا اور ماشاء اللہ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ سلامت رکھے آپ تو الحمد للہ زندہ ہیں۔ تو ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ نے لمبا سانس لیا اور فرمانے لگے کہ آج ایک لمحہ کے لیے میں اللہ رب العزت سے غافل ہوا، روحانیت کی دنیا میں اعلان ہو گیا ابوالحسن فوت ہو گئے۔ روحانیت کی دنیا میں غلغلہ مچ

گیا کہ ابوالحسن فوت ہو گئے، وہ روحانی موت تھی۔ ہمارا نام تو روحانیت کی دنیا میں مردہ ہی ہے۔ ظاہر کی دنیا میں بھی مردوں میں نام ہے اور روحانیت کی دنیا میں مردوں میں نام ہے۔

فکر کی گندگی ذکر سے دور ہوتی ہے:

اس لیے ہمیں کثرت کے ساتھ ذکر کرنا چاہیے اس کی اپنی برکتیں ہیں۔ اس سے انسان کی کنونشن پاور بڑھتی ہے، انسان کو ادھر ادھر کے خیالات سے نجات مل جاتی ہے۔ یہ جو اونٹ پٹانگ خیالات آتے ہیں، ہمارے بزرگ فرماتے ہیں کہ یہ فکر کی گندگی ہے۔ ''فکر کی گندگی'' یہ اصطلاح ہے فضول اور الٹے سیدھے خیالات کے لیے۔ ایک اصول یاد رکھیں کہ فکر کی گندگی ہمیشہ ذکر سے دور ہوتی ہے۔ ذکر کے بغیر کوئی آدمی اپنی سوچ کو پاک بنا ہی نہیں سکتا۔ اتنی گندی سوچ ہو جاتی ہے کئی مرتبہ کہ کہ انسان دوسرے کو بتانے کے قابل ہی نہیں ہوتا۔

چنانچہ ایک ملک میں ایک نوجوان میرے پاس آیا کہنے لگا کہ حضرت میں کیا کروں اپنی حالت پر، فرض نماز بھی پڑھ رہا تھا اور کبیرہ گناہ کرنے کی پلاننگ بھی کر رہا تھا۔ نماز کی حالت میں میں پلاننگ کر رہا تھا کہ میں کبیرہ گناہ کا مرتکب کیسے ہو جاؤں، غفلت کی یہ حالت ہو گئی ہے۔ تو فکر کی گندگی ہمیشہ ذکر سے دور ہوتی ہے، ذکر کثرت سے کریں سوچ پاک ہوتی چلی جاتی ہے، اوٹ پٹانگ خیالات ہی نہیں آئیں گے۔

ذکر......شیطان کے خلاف مؤثر ہتھیار:

شیطان کا راستہ روکنے کے لیے انسان کا سب سے بہتر ہتھیار ذکر ہے۔ عام دستور ہے کہ جب کوئی اپنے دشمن کو قابو کرے تو سب سے پہلے اس ہتھیار کو چھینتا ہے

جو خطرناک ہوتا ہے۔ فوجی جب کسی کو گرفتار کرتا ہے تو گرفتار کرتے ہی کہتا ہے: ہینڈز اپ! ہینڈز اپ کیوں کہتا ہے؟ اس لیے کہ اگر اس کے ہاتھ میں کوئی نقصان دہ چیز ہو، تو یہ اپنے ہاتھ کھڑے کر لے تاکہ استعمال نہ کر سکے۔ تو جب بھی دشمن پر قابو پائیں تو اس چیز کو چھینتے ہیں جو سب سے خطرناک ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح شیطان جب انسان پر مسلط ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس کو ذکر سے غافل کر دیتا ہے۔ قرآن مجید سے گواہی مل گئی:

﴿اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنْسَاهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ﴾ (المجادلہ:۱۹)

''شیطان ان پر غالب آ گیا اور اور شیطان نے ان کو اللہ کی یاد سے بھلا دیا''

اللہ کی یاد انسان کے پاس سب سے خطرناک ہتھیار ہے، جس سے شیطان کو ڈر لگتا ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے، حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لکھا ہے کہ انسان کے قلب کے پیچھے شیطان لمبی سونڈھ والے پت مچھر کی طرح بیٹھا ہوتا ہے اور انسان کے دل کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اگر دل کو ذاکر پاتا ہے تو پیچھے ہٹا رہتا ہے اور دل کو غافل پاتا ہے تو اپنی سونڈھ کا انجیکشن لگا کر انسان کے دل کے اندر وساوس کو ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔ اگر ہم ذکر کی کثرت کرتے رہیں تو شیطان ہمارے دلوں میں وسوسے نہیں ڈال سکتا، ہمارے دلوں کے قریب بھی نہیں آ سکتا۔ بھئی! جب ہم اپنے دشمن کو اپنے گھر کی چار دیواری سے دور رکھتے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ روحانیت کے اس دشمن کو بھی دل کی چار دیواری سے دور رکھیں۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم ذاکر ہوں، ذکر کرنے والوں پر شیطان کا غلبہ نہیں ہوتا۔

شیطان کا داؤ کن لوگوں پر نہیں چلتا:

○ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے فضائلِ ذکر میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ شیطان جا رہا تھا

اور بہت کمزور تھا، تو کسی اللہ والے دیکھا، اس نے کہا کہ بھئی تیرا یہ حال کیسے ہو گیا؟ کہتا ہے مجھے کچھ لوگوں نے بہت کمزور کر دیا، ان پر میرا کوئی داؤ چلتا ہی نہیں۔ بھئی! کون ہیں وہ لوگ؟ کہتا ہے کہ وہ جو شونیزیہ کی مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں، وہ صاحب کہتے ہیں میں اسی وقت مسجد میں آیا تو میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ بیٹھے سر جھکائے اللہ تعالیٰ کی یاد میں ذکر و مراقبے میں تھے۔ جب میں وہاں قریب ہوا، تو اللہ نے ان کے دل میں بات ڈال دی، ان میں سے ایک نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور فرمایا کہ اس شیطان مردود کی باتوں پہ نہ جانا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے شیطان دور بھاگتا ہے، یہ ذاکر و شاغل لوگ ہوتے ہیں راضی برضا لوگ ہوتے ہیں۔

○ ایک دفعہ شیطان کسی عالم کو ملا، اس نے کہا: یہ بتاؤ کن لوگوں پر تیرا داؤ نہیں چلتا۔ شیطان نے کہا: میں دکھاؤں وہ بندے؟ اس نے کہا: ہاں دکھاؤ۔ کہنے لگا: آئیں! شیطان ایک گدھے کی شکل میں بنا کر ایک بوڑھے کے پاس گیا جو کپڑے بنتا تھا۔ اس نے کپڑا بننے کے لیے لمبے لمبے دھاگے تانے ہوئے تھے۔ اب شیطان نے گدھے کی شکل اپنائی اور دوڑتا ہوا جو آیا تو ایک دولتی مار کر ان کے سارے دھاگوں کو توڑ دیا اور بھاگ گیا۔ وہ اللہ کے بندے بسم اللہ پڑھتے ہوئے اٹھے اور بسم اللہ پڑھتے ہوئے ہر دھاگے کو گرہ لگاتے گئے۔ بسم اللہ پڑھ کر ہر دھاگے پہ گرہ لگا رہے ہیں نہ ان کے چہرے پہ ناراضگی نہ ان کی زبان پر گالی نہ کچھ، پھر کام کرنے بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد شیطان پھر بھاگتا ہوا آیا اور اس نے پھر دھاگوں کو توڑ دیا۔ وہ پھر اٹھے اور جا کر انہوں نے بسم اللہ پڑھا اور دھاگوں کو پھر گانٹھ دینی شروع کر دی۔ تو شیطان کہنے لگا کہ دیکھو! یہ وہ لوگ ہیں جن پر میرا کوئی داؤ نہیں چلتا۔ اس نے کہا: آخر وجہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دل میں یہ یقین ہے کہ یہ کارخانۂ قدرت اللہ

کے حکم سے چل رہا ہے۔ تو یہ بندہ سمجھتا ہے کہ میں نے دھاگے نہیں توڑے میرے رب نے دھاگے تڑوائے ہیں۔ دھیان اُدھر ہی جاتا ہے، اس لیے مجھ پر خفا نہیں ہوئے، نہ ڈنڈا اٹھایا، نہ مجھے اینٹ سے مارا۔ جب دھاگے ٹوٹ گئے، یہ صاحب اٹھے اور اس کی گرہیں لگانے بیٹھ گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان ایسا ایمان حاصل کر لیتا ہے کہ جب اسباب سے نظر ہٹ کے مسبب الاسباب پر چل [illegible] ق ہے تو پھر شیطان کو ایسے بندے کے قلب تک پہنچنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ تو ذکر سے یہ نعمت نصیب ہو جاتی ہے۔

شیطان سے حفاظت کے لیے سیکورٹی گارڈ:

چنانچہ نبی علیہ السلام نے حدیث مبارک میں کچھ مسنون اذکار بتائے ہیں۔ جیسے ایک جگہ فرمایا: جو انسان سو مرتبہ دن میں پڑھے:

«لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ»

اس بندے کو سو نیکیاں عطا ہوں گی اور سو گناہ معاف ہوں گے اور سارا دن اللہ تعالیٰ شیطان سے اس بندے کی حفاظت فرمائیں گے۔

اب یہ کتنا بڑا اجر ہے؟ آپ دنیا میں انشورنس کرواتے ہیں تو پے منٹ دیتے ہیں یا اپنے گھر کی یا دفتر کی سیکیورٹی کرواتے ہیں تو انسٹال منٹ دیتے ہیں۔ اسی طرح سو مرتبہ یہ کلمہ پڑھ لینا یہ بھی انسٹال منٹ ہے اللہ رب العزت کے خزانوں میں۔ اور اس پر انسان کو کیا ملتا ہے، اللہ تعالیٰ سارا دن اس بندے کی شیطان مردود سے حفاظت فرماتے ہیں۔ کتنا پیارا نسخہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتا دیا! تو اب ہمیں چاہیے کہ اس کو ہم دن میں بھی پڑھیں رات میں بھی پڑھیں۔ صبح ایک سو مرتبہ پڑھ لیں گے تو یہ صبح کی پے

منٹ ہوگئی سارادن کے لیے سیکیورٹی گارڈمل گئے، وہ شیطان کو مار کر دور بھگا دیتے ہیں۔جو یہ سو مرتبہ کی انسٹالمنٹ جمع کروا دیتا ہے، اللہ تعالیٰ آسمان سے دوفرشتوں کو بھیج دیتا ہے، جاؤ میرے بندوں کی شیطان مردود سے حفاظت کروتو شیطان قریب ہی نہیں آتا۔اسی طرح سو مرتبہ شام کو اگر یہ پڑھ لیا جائے تو اللہ تعالیٰ رات کوشیطان سے بندے کی حفاظت فرما دیتے ہیں۔تو جو نوجوان تنگ ہوتے ہیں اپنے ذہنی خیالات سے، پریشانیوں سے ،تو ان کو چاہیے کہ اس مسنون ذکر کو اپنا روز کا معمول بنائیں۔

اللہ کا ذکر شفا اور مخلوق کا ذکر بیماری ہے:

چنانچہ مقبول رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

ذِكْرُ اللهِ شِفَاءٌ وَ ذِكْرُ النَّاسِ دَاء

''اللہ رب العزت کا ذکر شفا ہے اور مخلوق کا ذکر بیماری ہے''

مخلوق کے ذکر سے دل بیمار ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دل شفا پاتا ہے۔

سب سے بڑا عمل:

قَالَ رَجُلٌ لِسَلْمَانَ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ

سلیمان رضی اللہ عنہ سے ایک آدمی نے پوچھا کہ اعمال میں سے کون سا عمل زیادہ افضل ہے۔

فَقَالَ اَمَّا تَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ ﴿وَ لَذِكْرُ اللهِ اَكْبَرُ﴾ (العنکبوت:۴۵)

''فرمایا کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا، اللہ کا ذکر سب سے زیادہ بڑا عمل ہے۔''

یہ قرآن پاک کی گواہی ہے۔عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی یہی کہا کرتے تھے۔وہ

فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمادیا:

﴿وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾

اللہ کا ذکر سب سے بڑا عمل ہے، اس عمل سے باقی اعمال میں جان آجاتی ہے۔

ذکر سے غفلت نماز سے غفلت کا پیش خیمہ ہے:

اس لیے شیطان پہلے ذکر سے غافل کرتا ہے، پھر نماز سے غافل کرتا ہے۔

اگر ہم ذکر کے ہی مقام پہ اس کو اکتفا کرلیں گے تو یہ ہماری نمازوں میں خلل ڈال ہی نہیں سکے گا۔ یہ نماز کی بجائے ذکر سے پہلے کیسے روکتا ہے؟ گواہی قرآن دیتا ہے، قرآن عظیم الشان میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ﴾ (المائدۃ:۹۱)

”بے شک شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ جوئے اور شراب کے ذریعے سے تم میں دشمنی ڈلوائے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے“

تو پہلا حملہ کس پر کرتا ہے ذکر پر کرتا ہے۔ جب اس نے ذکر سے غافل بنا دیا اب اس کا نماز میں وساوس ڈالنا آسان ہو جاتا ہے۔ اور ہمارے مشائخ کیا کرتے ہیں؟ وہ ذکر کے ذریعے ویسے ہی شیطان کو دور رکھتے ہیں تو جب عام حالات میں دور رہتا ہے تو نماز کی حالت میں وہ ان کے قریب جا ہی نہیں پاتا۔

نماز میں جمعیت کیسے حاصل ہو؟

ہر بندہ چاہتا ہے کہ مجھے نماز کے اندر جمعیت نصیب ہو جائے، حضوری نصیب ہو جائے، یہ کیسے نصیب ہوسکتی ہے کہ ہم دنیا کی پریشانیوں میں پھنسے پھنسائے مصلے پر

آکر اللہ اکبر کہیں گے تو کیا پریشانیوں کی ساری گٹھڑی اتر جائے گی اور سکون کی گٹھڑی سر پر آجائے گی؟ نہیں ایسے نہیں ہوتا۔ موٹر بھی چلائی ہو نا تو بڑی موٹر ایک پش بٹن کے دبانے سے فورا سپیڈ پر نہیں آجاتی، ٹائم لیتی ہے، اپنے آر پی ایم پورا کرنے میں تھوڑا سا وقت لیتی ہے۔ انسان تو پھر انسان ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ غفلت والے ماحول سے آئے اور مصلے پر قدم رکھ کر اللہ اکبر کہے اور ایک دم سے غفلت سے نکل کر اس کو جمعیت مل جائے۔ سوچنے والی بات ہے کہ ایسا نہیں ہوتا۔ ہوتا کیا ہے؟ ہوتا یہ ہے کہ جنہوں نے نماز کی جمعیت حاصل ہوتی ہے انہوں نے نماز سے باہر بھی جمعیت حاصل کی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ پہلے ہی جمعیت میں آتے ہیں۔ یوں سمجھیں کہ اسی نوے پرسنٹ ان کی کیفیت کی پہلے ہی رجوع الی اللہ والی ہوتی ہے، اور جب اللہ اکبر کہتے ہیں وہ نوے پرسنٹ کیفیت سو پرسنٹ پر چلی جاتی ہے۔

اب اس کو ایک مثال سے سمجھ لیجیے۔ ایک آدمی نے اگر ہیوی ویٹ باکسنگ کی چیمپین شپ کا مقابلہ لڑنا ہو تو اس مقابلے کو جیتنے کے لیے وہ رنگ سے باہر ایکسرسائز کرتا ہے، تیاری کرتا ہے۔ آپ دیکھیں کہ کبھی وہ بھاگ رہا ہوگا، جوگنگ کر رہا ہوگا، کبھی وہ ویٹ لفٹنگ کر رہا ہوگا اور کبھی وہ سٹریس مشین کے اوپر بھاگے گا اور کبھی ایک چمڑے کا تکیہ لٹکا کر اس کے اوپر وہ مکے چلا رہا ہوگا۔ یہ کیا چیز ہے؟ یہ اس کی ایکسرسائز ہے، اس کے جسم کو فٹ بنانے کے لیے تاکہ یہ جسم رنگ کے اندر اپنے آپ کو پروو کر سکے۔ تو رنگ میں اپنے آپ کو پروو کرنے کے لیے رنگ میں تیاری نہیں کرنی ہوتی وہ رنگ کے باہر کر کے آنی ہوتی ہے۔ اور ایک بندہ کہے کہ میں نے مقابلہ لڑنا ہے اور رنگ سے باہر کوئی وہ تیاری نہ کرے اور اسی حالت میں اگر رنگ کے اندر قدم رکھے گا تو اس کا کیا بنے گا؟ ایک پنچ لگے گا اور ٹیکنیکل ناک آوٹ ہو جائے گا، ایک منٹ

کے اندر اندر ناک آؤٹ ہو گا۔ اس لیے کہ اس نے رنگ کے باہر تیاری نہیں کی۔ بالکل اسی طرح اللہ والے اپنی نماز کے رنگ کے اندر جو جمعیت والی نماز پڑھتے ہیں، اس کے لیے وہ رنگ سے باہر تیاری کر رہے ہوتے ہیں۔ اور وہ تیاری اتباعِ سنت ہے، تلاوتِ قرآن ہے، ذکرِ الٰہی، گناہوں سے بچنا، یہ سب تیاری ہے۔ ایسا بندہ جو یہ تیاری کر چکا جب وہ اللہ اکبر کے ساتھ نماز کے رنگ میں داخل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے نماز کی حضوری نصیب فرما دیتے ہیں۔ اس لیے ہمارے مشائخ بار بار کہتے ہیں کہ بھئی نماز کے باہر اگر تیاری کرو گے تو نماز کے اندر کی کیفیت کو بھی حاصل کر سکو گے، یہ ذکر نماز کی جمعیت کو حاصل کرنے کے لیے سب سے بہترین معاون ہے۔

اللہ کا بندے کو یاد کرنے کا مفہوم:

چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ ﴾ (البقرة:۱۵۲)

''تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا''

اس کا کیا مطلب؟ کیا یہ کہ تم کہو: ''اللہ اللہ اللہ'' میں کہوں گا ''بندہ بندہ بندہ''۔ نہیں ایسا نہیں! اب ذرا مثال سے سنیے۔ آپ نے کسی جگہ پر انٹرویو دینا تھا تو آپ نے ابو سے سفارش کروائی، آپ کے ابو صاحب کو فون پر کہتے ہیں کہ جی ذرا میرے بیٹے کو یاد رکھنا۔ تو بیٹے کو یاد رکھنے کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ کہ عبد اللہ عبد اللہ کہتے رہنا۔ نہیں! مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب آپ فیصلہ کرنے کے لیے بیٹھیں تو آپ میرے بیٹے کے حق میں ہمدردانہ فیصلہ کیجیے گا۔ بڑے کا یاد کرنا یہ ہوتا ہے کہ وہ جب ٹیسٹ کرنے بیٹھے تو چھوٹوں کے بارے میں خیر کے فیصلے کرے۔ تو اللہ کے یاد کرنے کا مفہوم یہ بنے گا: اے میرے بندے! تو مجھے اپنے دل میں اپنی زبان سے یاد کرے

گا اور میں پروردگار جب اعمال کی تقسیم کرنے لگوں گا تو میں تمہیں نیک اعمال کی توفیق عطا فرما دوں گا۔

تو ذکر کی یہ برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو نئے نئے اعمال کی توفیق دیتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اس کے کئی مفہوم ہیں۔

○ ایک مفہوم اس کا یہ بھی ہے کہ اے میرے بندے! اگر تو مجھے معذرت کے ساتھ یاد کرے گا تو میں پروردگار تجھے مغفرت کے ساتھ یاد کروں گا۔

○ ایک مفہوم اس کا یہ ہے کہ اے میرے بندے! اگر تو مجھے معصیت کے موقعے پر یاد کرے گا تو میں تجھے مصیبت کے موقعے پر یاد کروں گا۔ سیدنا یوسف علیہ السلام اپنے رب کو معصیت کے موقعے پہ یاد کیا تھا جب خاتون نے کہا تھا: ﴿قَالَتْ هَيْتَ لَكَ﴾ تو آپ نے جواب میں کیا فرمایا؟

﴿قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ﴾ (یوسف: ۲۳)

''میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں''

دیکھو! آپ نے اس گناہ کے موقعے پر کس کو یاد کیا؟ اللہ کو یاد کیا۔ لہٰذا جب آپ پر جیل کی مصیبت آئی تو اللہ رب العزت نے اس موقع پر ایسا یاد کیا، پردیس میں جہاں اپنا کوئی نہیں، اکیلے ہیں، اللہ جیل سے نکال لیتے ہیں اور تخت و تاج عطا فرما دیتے ہیں۔ دنیا کو تخت لینے کے لیے ووٹنگ کی ضرورت ہوتی ہے، برادری کی ضرورت ہوتی ہے، اپنی پارٹی والوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کا تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا، واہ میرے مولا! جب آپ تخت و تاج دینے پر آتے ہیں تو پردیسی بندے کو جو جیل کی کوٹھری کے اندر ہے، اس کو جیل کی کوٹھری سے نکال کر تخت کے اوپر بٹھا دیتے ہیں۔ وقت کا بادشاہ کہتا ہے:

﴿اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ﴾ (یوسف:۵۴)

اے میرے بندے! تو معصیت کے موقعے پر تو مجھے یاد کرے گا میں پروردگار مصیبت کے موقعے پر تجھے یاد کروں گا۔

○ اے میرے بندے! تو مجھے راحت کے لمحات میں یاد کرے گا میں پروردگار تمہیں زحمت کے لمحات میں یاد کروں گا۔

چنانچہ بنی اسرائیل کی ایک عورت اپنے بیٹے کو لیے ہوئے جنگل میں سے گزر رہی تھی ویرانہ تھا، ایک طرف سے بھیڑیا آیا اور اس نے آ کر اس کے اوپر حملہ کرنا چاہا تو یہ عورت ڈر کے مارے گر گئی، بچہ ہاتھ سے چھوٹ گیا، بھیڑیئے نے بچے کو منہ میں دبایا اور بھاگ گیا۔ اب ماں نے جب دیکھا کہ میرا بیٹا یہ لے کر جا رہا ہے تو اس کے دل سے ایک آہ نکلی۔ جیسے ہی دل سے آہ نکلی، ایک آدمی قریب سے کہیں درختوں کے پیچھے سے ظاہر ہوا اور وہ ایسا تیز رفتار تھا کہ اس نے چھلانگ لگا کر بھیڑیے کے اوپر حملہ کیا اور بھیڑیا جو گھبرایا تو وہ بچے کو وہیں چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اس آدمی نے بچے کو اٹھایا اور اٹھا کر اس کی ماں کے حوالے کر دیا۔ وہ بڑی حیران! کہنے لگی کہ اے نوجوان! تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ کا فرشتہ ہوں۔ عورت کہتی ہے: اللہ تعالیٰ کا فرشتہ اور میری مدد کے لیے؟ اس نے کہا: ہاں ایک موقع پر تو اپنے گھر کے اندر بیٹھی کھانا کھا رہی تھی، اچھے حالات تھے تو نے لقمہ منہ میں ڈالا، عین اس وقت باہر آ کر کسی سائل نے اللہ کے نام پر سوال کیا، تجھے بھوک تو لگی ہوئی تھی اور تیرے پاس اور بھی کچھ دینے کو نہیں تھا، تو نے سوچا کہ اس نے اللہ کے نام پر مانگا چلو میں اپنی باقی بچی ہوئی روٹی فقیر کو دے دیتی ہوں، تو نے اپنے منہ کا نوالہ گویا فقیر کو اللہ کے نام پر دے دیا، آج اللہ نے بھیڑیے کا نوالہ تجھے واپس لٹا دیا۔ تو نے راحت کے وقت میں اسے

یاد کیا تھا، اس نے زحمت کے وقت میں تجھے یاد کرلیا۔

○ بلکہ فرمایا کہ اے میرے بندو! تم اگر مجھے نرم بستروں پر یاد کرو گے تو میں پروردگار تمہیں قبروں کے اندر یاد کروں گا۔

فَاذْكُرُونِي فِي مَهْدِكُمْ اَذْكُرْكُمْ فِي لَحْدِكُمْ

○ تم اپنے سونے کی جگہ میں مجھے یاد کرو گے میں قبر میں سوتے وقت تمہیں یاد کروں گا۔تم مجھے فرش پر یاد کرو گے میں پروردگار تمہیں عرش پہ یاد کروں گا۔

تو یہ تو سودا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا، ہم اسے یاد کریں گے وہ ہمیں یاد کرے گا۔اے میرے بندو! تم مجھے عزتیں دو گے میں پروردگار تمہیں عزتیں دوں گا، تم میری عبادت کرو گے میں لوگوں کو تمہاری خدمت میں لگا دوں گا، میرے بندو! تم مجھے مناؤ گے میں تمہیں مناؤں گا۔تم میرے قریب آؤ گے میں تمہارے قریب آؤں گا، مگر فرق یہ ہے، تم ایک ایک قدم چل کر آؤ گے۔

((اَتَانِي يَمْشِي اَتَيْتُهٗ هَرْوَلًا))

''میری رحمت تمہاری طرف دوڑ کر جائے گی''

ہم جتنا اللہ رب العزت کا ذکر کریں گے، اُتنا ہماری زندگی میں برکتیں آتی چلی جائیں گی۔لہٰذا دل میں یہ ارادہ کر لیجیے کہ ہم اپنی زندگی کا وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزاریں گے تو یہ پہلا سبب ہے انسان کے دل کے زندہ ہونے کا۔

دوسرا سبب

قرآن مجید کی تلاوت انسان کے دل کے زندہ ہونے کا سبب بنتی ہے۔اسی لیے

قرآن مجید کو "شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ" کہا گیا۔ سینوں کے اندر جو کچھ ہے اس کے لیے یہ شفا ہے۔ فرمایا:

﴿وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (التوبۃ:۱۴)

﴿وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ﴾ (الشعراء:۸۰)

﴿شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ﴾ (یونس:۵۷)

﴿هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (یونس:۵۷)

﴿وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الاسراء:۸۲)

﴿وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَاءٌ﴾

(الاسراء:۸۲)

تو معلوم ہوا کہ دل کی بیماریوں کے لیے قرآن مجید بہترین شفا ہے اور ہدایت ہے۔ یہ نسخہء شفا ہے، ہم جب اسے محبت چاہت کے ساتھ پڑھیں گے اللہ تعالیٰ ہمارے سینوں کے روگ کو دور فرمائیں گے۔

تقرب کا بہترین نسخہ...... تلاوتِ قرآن:

چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے:

((مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُّحِبَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَلْيَقْرَءْ فِي الْمُصْحَفِ))

"کہ جو انسان چاہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول کو خوش کروں اس کو چاہیے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرے"

چنانچہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

"تَقَرَّبْ اِلَى اللّٰهِ مَا اسْتَطَعْتَ وَاعْلَمْ اِنَّكَ لَنْ تَتَقَرَّبَ اِلَيْهِ بِشَيْءٍ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ كَلَامِهٖ"

"جتنی تیرے اندر استطاعت ہے اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جا، مگر جان لے کہ تو اللہ کے قریب نہیں ہو سکتا مگر اس کی پسندیدہ چیز قرآن مجید کی تلاوت کرنے کے بعد۔"

تو جو انسان چاہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہو تو اس کو چاہیے کہ قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کرے۔

((مَنْ اَحَبَّ الْقُرْاٰنَ اَحَبَّ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ))

کہ جو قرآن مجید کی تلاوت کو محبوب رکھتا ہے اللہ اور اس کے رسول اس کو محبوب رکھتے ہیں

ہمارا دل قرآن مجید پڑھنے کو زیادہ کیوں نہیں چاہتا؟ کبھی اس پر غور کیا؟ آدھا پارہ پڑھ کر تھک جاتے ہیں، ایک پارہ پڑھ کے تھک جاتے ہیں، دو پارے پڑھ کے تھک جاتے ہیں، اور کچھ اللہ کے بندے تو اس کے قریب ہی نہیں جاتے۔

آج کل ہماری کیا حالت ہے؟ اعتکاف میں بیٹھے ہیں، قیام الیل ہے اور ایک ربع قرآن سن کر ہم تھک جاتے ہیں، ہنسی آتی ہے سن کر۔

قرآن کے عاشق:

اس عاجز نے اپنی زندگی میں ایسے لوگوں کو دیکھا جو عاشق قرآن بنے۔

○ ہمارے محلے میں ایک حافظ صاحب رہتے تھے، اللہ کے بڑے نیک بندے تھے، قرآن مجید کے عاشق تھے۔ ہم چھوٹے سے بچے ہوتے تھے کہ جس زمانے میں پورے محلے کا ویزہ انسان کے پاس ہوتا ہے، جس گھر میں چاہو داخل ہو جاؤ۔ وہ ہماری چھوٹی عمر تھی، اس عمر کی بات ہے، پتہ نہیں تیسری کلاس میں پڑھتے تھے یا چوتھی کلاس میں، یہ بھی پتہ نہیں، ہم نے اس حافظ صاحب سے کچھ قرآن مجید پڑھا بھی تھا۔

ہم دیکھتے تھے کہ ہر وقت ان کا منہ چلتا رہتا تھا، پھر جب بڑے ہوئے تو پھر پتہ چلا کہ وہ ہر وقت قرآن پڑھتے رہتے تھے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ ایک موقع پر ہم ان کے گھر میں ہی تھے، چھوٹے بچے تھے، ان کے بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ تو ان کی ایک بڑی بیٹی شادی شدہ تھی، وہ اپنے میکے والدین کو ملنے کے لیے آئی تو یہ اندر بیٹھے اپنا ذکر عبادت کر رہے تھے اور اٹھ کر باہر آگئے اور بیٹی کے پاس بیٹھ گئے۔ اب بیٹی بیٹھی ہوئی ہے اور یہ کچھ پڑھ رہے ہیں، یہ بیٹی بار بار کہے ابو! میں اتنی دور سے آپ کو ملنے کے لیے آئی ہوں، آپ مجھ سے بات ہی کوئی نہیں کرتے، تھوڑی دیر کے لیے جو پڑھ رہے ہیں اس کو روکیں۔ انہوں نے کہا: بیٹی! تجھ سے کیا باتیں کروں؟ آپ نے بتا دیا آپ خیریت سے ہو، میں نے بتا دیا میں خیریت سے ہوں، اب اور کیا باتیں کروں؟ اور وہ پھر پڑھنا شروع کر دیتے۔

ہمیں چھوٹے ہوتے ہوئے یہ بات سمجھ نہیں آتی تھی کہ لوگ کہتے ہیں باتیں کرو اور یہ ہر وقت زبان ہلاتے رہتے ہیں لیکن بڑے ہو کر پھر ہمیں پتہ چلا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ساتھ ایسا عشق دیا ہوا تھا کہ روزانہ ایک قرآن مجید پڑھنا ان کا معمول بنا ہوا تھا۔ تو جو عاشق قرآن ہوتے ہیں تو پھر ان کی زندگیاں یوں گزرتی ہیں۔

○ ایک مرتبہ اس عاجز نے لاہور کی ایک مسجد میں درسِ قرآن دیا۔ مسجد کے جو امام خطیب تھے وہ سلسلے میں داخل تھے، مجھے کہنے لگے کہ حضرت! آپ ناشتہ میرے ہاں کیجیے! تو ہم ان کے ہاں چلے گئے۔ ناشتے کے دوران کہنے لگے کہ حضرت میرے ابو! عاشقِ قرآن ہیں، تو ہم نے کہا کہ بھئی! ہمیں ناشتے میں تو اتنا مزہ نہیں آئے گا جتنا ان کی باتیں سننے میں آئے گا، ہمیں ان کے واقعات سنائیں۔ چنانچہ انہوں نے ان کے

واقعات سنانے شروع کر دیے۔ عجیب وغریب واقعات!

ایک واقعہ انہوں نے یہ بھی سنایا کہ میرے والد صاحب کو کسی نے یہ بتا دیا کہ اگر آپ تین سال متواتر ایک قرآن پاک روز پڑھیں گے تو قرآن مجید کا فیض اللہ تعالیٰ تمہاری آئندہ نسل میں چلا دیں گے، میرے ابو نے پڑھنا شروع کر دیا۔ ایک قرآن مجید روزانہ، سردی بھی، گرمی بھی، صحت بھی، بیماری بھی، دیس بھی پردیس بھی، خوشی بھی، غمی بھی، مگر انہوں نے ایک قرآن پاک روز پڑھنا شروع کر دیا اور کہنے لگے کہ متواتر تین سال انہوں نے قرآن مجید پڑھا، ایک دن بھی ناغہ نہیں ہوا۔ پھر کہنے لگے کہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میرے والد کی جتنی اولاد نرینہ مادینہ، بیٹے یا بیٹیاں، آگے ان کی اولاد جتنے بیٹے، جتنی بیٹیاں، جو بھی اس کی نسل سے بچہ سات سال کی عمر کا ہے وہ قرآن مجید کا حافظ ہے۔ میرے والد کی نسل سے کوئی بھی جو آگے اولاد چل رہی ہے، پوتے ہیں، نواسے ہیں، نواسیاں ہیں، کوئی بھی بچہ جو سات سال سے اوپر کی عمر کا ہے، وہ قرآن مجید کا حافظ ہے۔ کرنے والے دیکھو کیا کیا کر کے گئے؟ یہ قرآن مجید کے عاشق لوگ، ہمارے لیے ایک پارہ پڑھنا مشکل، ان کے لیے روز ایک قرآن مجید پڑھنا بھی آسان۔

○ اسی رمضان میں دیکھیں ہم نے کتنا پڑھا؟ کوئی زیادہ سے زیادہ تیر مارے گا تو دو ختم کر لے گا اور کسی نے اونچی چھلانگ لگائی تو تین ختم کر لے گا۔ ہماری ہی جماعت میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ رمضان کے بعد خط آتے ہیں، کوئی لکھتا ہے کہ جی الحمد للہ جی میں نے تیس قرآن مجید رمضان میں ختم کر لیے، ایک سفید ریش بوڑھے تھے انہوں نے پچھلی دفعہ لکھا کہ ساٹھ قرآن مجید پڑھنے کا ارادہ تھا، مگر ۲۹ روزے ہونے کی وجہ میں انسٹھ پڑھ سکا، ساٹھ پورے نہ ہوئے۔ دو قرآن مجید روزانہ، ایک دن میں، ایک

رات میں اور اس دور میں یہ لوگ پڑھ رہے ہیں، ابھی زندہ ہیں۔ تو اگر وہ ہر دن اور ہر رات کا ایک ایک قرآن پاک لے کر اللہ کے پاس جائیں گے اور ہم نے ایک پارہ بھی دن کا نہیں پڑھا ہوگا تو میرے دوستو! ہمیں کتنی شرمندگی ہوگی! کتنی حسرت ہو گی! کتنا افسوس ہوگا!

قرآن پاک سے مناسبت نہ ہونے کی وجہ:

آخر وجہ کیا ہے کہ قرآن مجید سے ہمیں وہ مناسبت نہیں جو ہونی چاہیے۔ ابھی یہاں نعت پڑھوا دیں تو مجمع میں سے بیس بندے ایسے ہوں گے جو رونے لگ جائیں گے، کیا تراویح میں بھی کسی کو روتے دیکھا؟

ایک اہم نکتہ کہ آخر قرآن مجید سن کر ہمیں رونا کیوں نہیں آتا؟ قرآن مجید سے ہماری مناسبت کیوں نہیں؟ قرآن مجید پڑھنے سے آخر اتنا ہمیں شرف اور رغبت کیوں نہیں؟ فرق کہاں پر ہے؟ ہمارے مشائخ نے اس کا جواب دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ جب انسان کے دل میں مخلوق بھری ہوتی ہے تو مخلوق کے کلام کی تاثیر اس پر زیادہ ہوتی ہے۔ جب اللہ کا تعلق بھر جاتا ہے تو وہ پھر اللہ کے کلام کی تاثیر زیادہ ہوتی ہے کہ قرآن سن کر روتا ہے۔ اس لیے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

((لَوْ طَهُرَتْ قُلُوْبُكُمْ مَا شَبِعَتْ مِنْ كَلَامِ رَبِّكُمْ))

''اگر تمہارے دل صاف ہو جاتے تو اللہ کا قرآن پڑھنے سے تمہارے دل کبھی نہ بھرتے''

دل چاہتا کہ بس میں پڑھتا ہی رہوں، تو معلوم ہوا کہ دل صاف نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں پھر قرآن پاک کے ساتھ مناسبت نہیں۔

تیسرا سبب

استغفار کی کثرت

تیسری چیز ہے استغفار کی کثرت ۔اگر آدمی چاہے کہ قلب کی گندگی دور ہو جائے ،ظلمت دور ہو جائے ، دل روشن ہو جائے ،منور ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ استغفار کی کثرت کرے۔ چنانچہ استغفار کی کثرت سے اللہ تعالیٰ دل کی ظلمتوں کو دور کر دیتے ہیں۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھی:

طُوْبیٰ لِمَنْ وُجِدَ فِیْ صَحِیْفَتِہٖ اِسْتِغْفَارًا کَثِیْرًا

''اس بندے کے لیے خوشخبری ہے جو قیامت کے دن اپنے نامہ اعمال میں کثرت سے استغفار پائے گا''

کثرت سے جو استغفار پائے گا اس بندے کو مبارک باد، وہ بہت خوش ہوگا۔تو استغفار دو دو سو مرتبہ صبح شام یا رمضان المبارک میں اس سے بھی زیادہ پڑھ سکتے ہیں۔مگر استغفار فقط زبان سے نہ پڑھے، دل کے استحضار کے ساتھ پڑھے، ندامت کے ساتھ پڑھے، یہ نہ ہو کہ

اِسْتِغْفَارُنَا یَحْتَاجُ اِلٰی اِسْتِغْفَارِہٖ

''ہمارا استغفار بھی استغفار کا محتاج ہو''

توجہ الی اللہ کے ساتھ استغفار پڑھیں گے تو اس کی برکتیں دل کے اوپر آئیں گی۔

چوتھا سبب

دعا کی کثرت

اور چوتھا سبب دعا کی کثرت۔ دعا سے بھی انسان کا دل سفید ہوتا ہے، منور ہوتا ہے۔ جب انسان رو رو کے مانگتا ہے نا تو پھر اللہ رب العزت مہربانی فرماتے ہیں، نگاہِ رحمت فرما دیتے ہیں اور اس بندے کے دل کی دنیا کو بدل دیتے ہیں۔ ہمارا معاملہ اللہ تعالیٰ کی ایک نگاہ پر بلکہ سچ کہوں اللہ تعالیٰ کی نیم نگاہ پر موقوف ہے ؎

یہ خزاں کی فصل کیا ہے فقط ان کی چشم پوشی
وہ اگر نگاہ کر دیں تو ابھی بہار آئے

ایک نظر اگر وہ رحمت کی ڈال دیں، تو بندے کا دل ابھی زندہ ہو جائے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے بکثرت یہ دعا مانگیں: اے مالک! ہمارے دلوں کو دھو دیجیے! ہمارے دلوں کو منور کر دیجیے! دل کی سختی کو ختم فرما دیجیے! ارشاد فرمایا:

﴿ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ (المؤمن: ٦٠)

بندو! تم دعا مانگو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا۔

اور جو لوگ دعا نہیں مانگتے تو اس کو تکبر کہا:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ ﴾ (المؤمن: ٦٠)

یعنی جو بندہ دعا نہیں مانگتا، اللہ تعالیٰ کی رحمت دیکھیے! اللہ تعالیٰ اس چیز کو تکبر کے ساتھ تشبیہ دے رہے ہیں۔ اس لیے حدیث پاک میں آتا ہے:

((مَنْ لَّمْ یَدْعُوْ اللّٰهَ یَغْضِبُ عَلَیْهِ))

''جو بندہ اللہ سے دعا نہیں مانگتا، اللہ تعالیٰ اس بندے سے ناراض ہوتے

ہیں''

کہ یہ بندہ مجھ سے مانگتا کیوں نہیں؟ تو ہمیں اللہ تعالیٰ سے خوب دعا مانگنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرا بندہ میرے قریب ہو، مجھ ہی سے لو لگا کر بیٹھے، مجھ تار جوڑ کر بیٹھے، مجھ ہی سے مانگے۔

علمی نکتہ:

آپ کو ایک طالب علم ہونے کے ناطے ایک علمی نکتہ بتاؤں۔ قرآن مجید میں کئی جگہوں پر پوچھنے والوں نے کئی سوال پوچھے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی زبان فیضِ ترجمان سے ان کے جواب دلوائے۔ مثلاً

﴿ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ﴾

''یہ آپ سے چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں۔''

آگے جواب دلوایا:

﴿ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ ﴾ (البقرۃ:۱۸۹)

''آپ فرما دیجیے کہ یہ لوگوں کے اوقات کے لیے ہے''

تو یہ ایک طریقہ (Patteren) ہے پورے قرآن مجید کا:

﴿ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰی ...... قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ﴾ (البقرۃ:۲۲۰)

﴿ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ...... قُلْ هُوَ اَذًی ﴾ (البقرۃ:۲۲۲)

تو ترتیب یہ ہے کہ پہلے سوال فرمایا اور پھر قُل کے لفظ کے ساتھ محبوب کی زبانی جواب دلوا دیا۔ پورے قرآن مجید میں یہی ترتیب (Patteren) ہے۔ جہاں سوال پوچھا، اس سوال کے جواب میں فرمایا: قُل آپ فرما دیجیے۔ آگے اس کا جواب دے دیا۔

ایک سوال ایسا تھا کہ جب پوچھنے والے نے پوچھا تو پروردگار کو بھی خوشی ہوئی، اس کی رحمت جوش میں آ گئی۔ یہ ایک سوال پوچھ رہے ہیں، اس سوال کا جواب دیتے ہوئے، اللہ نے اس پیٹرن کو سامنے نہیں رکھا، ترتیب بدل کر رکھ دی۔ پوچھنے والے نے بات ہی ایسی پوچھی، کیا پوچھا تھا؟ ارشاد فرمایا:

﴿ وَاِذَا سَئَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ ﴾

جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں!

﴿ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ﴾ (البقرۃ:۱۸۶)

''میں تو بہت قریب ہوں''

اس سوال کا جواب اللہ نے خود عطا فرمایا۔ اندازہ لگایئے کہ اللہ رب العزت کو یہ سوال کتنا اچھا لگا ہوگا، آپ سے یہ بندے میرے بارے میں پوچھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرا بندہ مجھ سے لو لگا کر بیٹھے، مجھے یاد کرے، تاکہ میں اپنے بندے کو اپنی رحمتیں عطا کروں۔

پانچواں سبب

درود شریف کی کثرت

پانچویں چیز جس سے کہ انسان کا دل دُھلتا ہے وہ ہے:

اَلصَّلٰوۃُ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ

نبی ﷺ پر درود شریف پڑھنا۔

چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً وَّاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا

صَلَوَاتٍ))

''جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں''

اللہ تعالیٰ کی اپنے محبوب ﷺ کے ساتھ کیا مہربانی ہے؟ قرآن مجید پہ اجر ملتا ہے، حدیث پاک میں آتا ہے جو ایک حرف پڑھے اللہ تعالیٰ ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں عطا فرماتے ہیں۔ تو اللہ کے کلام پر دس کا قانون لگتا ہے۔ قربان جائیں کہ اپنے محبوب ﷺ سے آپ نے کتنی محبت کا اظہار فرمایا! جس نے اللہ کے محبوب ﷺ پر درود بھیجا تو ثواب کا جو ریٹ جو اپنے کلام کے پڑھنے پر لگاتے ہیں، وہی ریٹ محبوب ﷺ پر درود بھیجنے پر لگا دیا۔ یہ مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا، اللہ تعاالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔ بلکہ مزید حدیثِ پاک میں فرمایا:

((مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً وَّاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَّ حُطَّتْ عَنْہُ عَشْرُ خَطِیْئَاتٍ وَ رُفِعَتْ لَہٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ)) (سنن نسائی)

''جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں اور اس کی دس خطاؤں کو معاف فرما دیتے ہیں اور اس کے دس درجات بلند کرتے ہیں۔''

درود شریف کی برکت:

ایک حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو بندہ مجھ پر درود پاک پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ مشکل میں اس کے لیے آسانی پیدا کر دیتے ہیں۔

اب یہاں پر آپ کو ایک بات بتائیں۔ پتہ نہیں بتانی بھی چاہیے کہ نہیں۔ لیکن منہ پر آئی بات کہہ دینی چاہیے، درود شریف پڑھنے کے ہم نے اس دنیا میں اپنی

آنکھوں سے فائدے دیکھے ہیں، یقین ہونا چاہیے۔آپ کبھی کسی کام کے لیے جائیں، کام اٹک جائے، مشکل پیش آ گئی حل نہیں ہوتی، ہر مشکل کے وقت میں آپ اگر اللہ کی طرف رجوع کر کے کھڑے ہوں اور نبی علیہ السلام پر درود شریف پڑھنا شروع کر دیں چند لمحوں میں آپ دیکھیں گے اللہ تعالیٰ آپ کی مشکل کو آسانی میں بدل دیں گے۔ یہ ایسا ایک ٹول ہے جہاں چاہو اسے استعمال کر لو۔ہم نے اپنی زندگی میں ہزاروں مرتبہ اس کو استعمال کر کے دیکھا۔تھک جاتے ہیں، کبھی یہ کام اٹک گیا، کبھی یہ کام اٹک گیا، اٹکے رہے تو انسان دین کا کام کیسے کرے؟ تو یہ کیونکہ حدیث پاک میں آیا ہے تو اس یقین کے ساتھ پڑھ لیتے ہیں اللہ تعالیٰ الجھنوں کو دور فرما دیتے ہیں۔

ایک دفعہ حج کے موقعہ پر ہمارے کوئی پچیس بندے تھے، ہم نے واپس مکہ مکرمہ آنا تھا۔ ہمارے ایک عربی دوست تھے ان کو کہا کہ بھائی کوشش کر کے مکتب سے ہمارے لیے اجازت لو کہ ہم اپنی گاڑیاں کروا کر چلے جاتے ہیں، کیونکہ مستورات ساتھ ہیں اور جو وہاں کی روٹین والی بسیں ہیں وہ اٹھارہ گھنٹے بیس گھنٹوں میں پہنچتی ہیں، تو پردے والی عورتوں کو بڑی مشکل ہوتی ہے، اتنا عرصہ متواتر پردے کے اندر بیٹھے رہنے سے جسم پر دانے آ جاتے ہیں، ان کے لیے مصیبت ہوتی ہے، ہم نے ان سے کہا کہ بھئی! ہماری تھوڑی فیور ہو جائے ہم دعائیں دیں گے آپ کو۔ خیر وہ ساتھ تھے، ہم مکتب میں پہنچے، اس نے عربی میں بات کی، اس نے صاف جواب دے دیا اس نے کہا: لَا وَاللّٰهِ۔اس عربی دوست نے کہا کہ انہوں نے ایک مرتبہ نہ کر دی اب ہاں کروانا یہاں سے مشکل کام ہے، میں نے کہا کہ آپ ایسا کریں کہ ایک مرتبہ پھر بات کریں اللہ تعالیٰ مدد کریں گے۔ اب اسے بات کرنے پر لگایا اور میں نے درود شریف پڑھنا شروع کر دیا۔ میں نے کہا کہ ان کو یہ کہو کہ ہم پچیس بندے ہیں، آپ

ایسا کریں آپ ہمیں کسی اور گروپ کے ساتھ اکٹھا نہ کریں ہمیں الگ بس دے کر جو پچیس والی ہوتی ہے بھیج دیں۔ کیونکہ اوروں کے انتظار میں رہیں گے کہ بس پوری ہو گی تو جائیں گے تو پھر مصیبت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ وہ کہنے لگا کہ ٹھیک ہے، اس نے ہاں کردی کہ آپ کو ہم چھوٹی بس دے دیں گے اور آپ اپنے بندوں کو لے کر چلے جائیں۔ ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

اللہ تعالیٰ کی شان ہم تیار ہو کر بیٹھ گئے، جب بس آئی تو ستر بہتر سیٹر بالکل نئی بس اس نے بھیجی، ان کی سیٹوں کی اوپر پولی تھین بھی چڑھا ہوا تھا، ایسے لگتا تھا کہ وہ گودام سے نکال کر بھیج دی ہے۔ تو ہم پچیس بندے ایک ایک سیٹ پر سو کر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ پہنچے۔ تو میں نے اپنے دل میں سوچا کہ دیکھو یقین کے ساتھ اگر انسان اللہ رب العزت کے محبوب پر درود بھیجے تو اللہ تعالیٰ جہاں آخرت کی مصیبتیں دور فرما دیتے ہیں اللہ تعالیٰ دنیا کی مشکلیں بھی آسان کر دیتے ہیں۔

بخیل شخص کون؟

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((اَلْبَخِيْلُ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ)) (کنز الاعمال، رقم:۲۱۴۶)

”بخیل ہے وہ جس کے سامنے میرا تذکرہ ہو اور وہ مجھ پہ درود شریف نہ پڑھے“

تو سب حضرات درود شریف پڑھ لیں:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّم

درود شریف نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قرب کا ذریعہ:

حدیث پاک میں آتا ہے:

((اِنَّ لِلّٰہِ مَلَائِکَۃٌ سَیَّاحِیْنَ یُبَلِّغُوْنِیْ عَنْ اُمَّتِیَ السَّلَامَ))

بیشک اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو سیاح ہیں، چلتے پھرتے ہیں۔ میری امت کا جو بندہ مجھ پر درود وسلام بھیجتا ہے، وہ فرشتے اس کو مجھ تک پہنچا دیتے ہیں۔

چنانچہ نبی علیہ السلام فرمایا:

((اِنَّ اَوْلٰی بِیَ النَّاسَ فِیْ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ اَکْثَرُھُمْ عَلَیَّ صَلٰوۃً))

کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ قریب میرے وہ بندہ ہوگا جس نے دنیا میں سب سے زیادہ مجھ پر درود شریف پڑھا ہوگا۔

تو ہمیں چاہیے کہ ہم نبی علیہ السلام پر درود شریف بھی خوب پڑھا کریں۔

چھٹا سبب

تہجد کی نماز

چھٹا عمل جس سے دل زندہ ہوتا ہے، وہ ہے:

قِیَامُ الَّیْلِ

تہجد کی نماز

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: نیک بندوں کی نشانیاں:

﴿وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّھِمْ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا﴾ (الفرقان:۶۴)

''اور جو اپنے رب کے حضور سجدے میں اور قیام میں رہ کر راتیں بسر کرتے

ہیں"

اَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ بَعْدَ الْمَکْتُوْبَۃِ قِیَامُ الَّیْلِ

"پانچ فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل نماز وہ تہجد کی نماز ہے۔"

یاد رکھیں کہ تہجد کی پابندی کیے بغیر کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کے اولیا میں شامل نہیں ہو سکتا، ولی بننے کے لیے شرط ہے کہ یہ بندہ تہجد گزار ہو۔ ولی بننے کی شرط ہے کہ وہ بندہ پرہیز گار ہو، کوئی ایسا بندہ جو پرہیز گار نہ ہو اللہ تعالیٰ کا ولی نہیں بن سکتا۔

﴿اِنْ اَوْلِیَآئُهٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ (الانفال:۳۴)

اس کے ولی وہی ہوتے ہیں جو متقی لوگ ہوا کرتے ہیں۔

گناہوں کی وجہ سے تہجد سے محرومی:

اِنَّ الْعَبْدَ لَیُذْنِبُ یُحْرَمُ مِنْ قِیَامِ الَّیْلِ

جو بندہ گناہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے تہجد کی نماز سے محروم کر دیتا ہے۔

اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے:

قَالَ حُرِمْتُ قِیَامَ الَّیْلِ خَمْسَۃَ اَشْھُرٍ بِذَنْبٍ

میں ایک گناہ کرنے کی وجہ سے پانچ مہینے قیام اللیل سے محروم کر دیا گیا۔

اور وہ گناہ کیا تھا کہ ایک بندہ رو کے گناہوں سے معافی مانگ رہا تھا تو میں نے دل میں سوچا کہ یہ ریاکاری کر رہا ہے۔ اس گناہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے پانچ مہینے مجھے تہجد کی نماز سے محروم کر دیا۔

راتوں کو جاگنے کی لذت:

چنانچہ ابو سلیمان درانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

اَهْلُ اللَّيْلِ فِيْ لَيْلِهِمْ اَلَذُّ مِنْ اَهْلِ اللَّهْوِ فِيْ لَهْوِهِمْ

کہ جو لوگ گناہوں میں رات کے وقت لذتوں میں پڑے ہوتے ہیں، ان سے زیادہ لذتیں اہل اللہ کو راتوں کے جاگنے میں اللہ تعالیٰ عطا فرما دیتے ہیں۔

چنانچہ ابن منقدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَا بَقِيَ مِنْ لَذَّاتِ الدُّنْيَا اِلَّا ثَلَاثًا

کہ دنیا کی لذتوں میں تین چیزیں باقی رہ گئی ہیں۔

(۱) قِيَامُ اللَّيْلِ

تہجد کی نماز

(۲) لِقَاءُ الْاُخْوَانِ

دین دار بھائیوں سے ملاقات کرنا۔

(۳) وَ صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ

اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا۔

تین چیزیں ہیں جن میں لذت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ نے ابھی تک باقی رکھی ہوئی ہیں۔ ہمارے بزرگوں کو نماز باجماعت میں لذت ملتی تھی، تہجد میں لذت ملتی تھی، اللہ کی نسبت سے ایک دوسرے کے ساتھ میل جول میں لذت ملتی تھی۔

تو یہ چھ چیزوں کے اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ دل کو نورانی بنا دیتے ہیں۔ تو آپ ان اعمال کو زیادہ سے زیادہ کیجیے۔ اپنے اپنے مقامات پر ان کی پابندی کر کے اپنے دلوں کو منور کر لیجیے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو زندہ فرما دے اور ہمارے دلوں میں اپنی یادوالی لذت نصیب فرما دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

میرا دل مچل رہا ہے

میرا دل مچل رہا ہے تیری یاد میں الٰہی
تیرے نام نے تو دل میں اک آگ ہے لگائی

تیرا در تو تیرا در ہے تیرے در کے اک گدا نے
دنیائے دوں کی عظمت میرے دل سے ہے مٹائی

تیرے حسن پر میں قربان تیری نیم سے نگاہ نے
میرے اجڑے دل کی بستی اک پل میں ہے بسائی

میں تیری نوازشوں پر حیران ہو رہا ہوں
قاری نے مجھ کو سورۃ رحمٰن ہے سنائی

میری زندگی کا حاصل تیری یاد بن گئی ہے
تیرے وصل کی تمنا میرے دل میں ہے سمائی

تیرے عاشقوں میں جینا تیرے سنگ در پہ مرنا
میں یہی سمجھ رہا ہوں تیرے در کی ہے رسائی

مجھے درد دل ملا ہے سن لو اے دنیا والو
میں فقیر بے نوا ہوں مجھے مل گئی ہے شاہی

﴿أَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾

(الزمر:۲۲)

شرح صدر کے اسباب

بیان: محبوب العلماوالصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 9 نومبر 2004ء ۲۶ شب رمضان ۱۴۲۵ھ

مقام: نور مسجد لوساکا زیمبیا (افریقہ)

موقع: خصوصی مجالس برائے اعتکاف

اقتباس

شرح صدر نصیب ہونے کا کیا مطلب؟ کہ انسان دین پر عمل کرے مگر طمانیتِ قلب کے ساتھ، دل کی چاہت کے ساتھ، شوق و ذوق کے ساتھ، محبت کے ساتھ۔ بوجھ سمجھ کر عمل نہ کرے، شریعت کے احکام اس کو مصیبت نہ نظر آئیں بلکہ اس کے اندر محبت ایسی ہو اللہ تعالیٰ کی کہ اس پر شوق و ذوق کے ساتھ عمل کرے۔ یوں سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ سے قانونی تعلق نہ رہے، جنونی تعلق بن جائے۔ اس کو کہتے ہیں شرح صدر نصیب ہو جانا۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

شرح صدر کے اسباب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾

(الزمر:۲۲)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

شرح صدر کی نعمت:

قرآن مجید کی آیت ہے:

﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾

(الزمر:۲۲)

جس کا مفہوم ہے کہ وہ جس کے سینے کو ہم نے اسلام کے لیے کھول دیا وہ اپنے رب کی طرف سے ایک نور پر ہوتا ہے۔ یعنی اس کے سینے میں ایک نور آ جاتا ہے۔ اس کو ہدایت کی ایک روشنی مل جاتی ہے، ایک نور ایمان نصیب ہو جاتا ہے، اس کا دل اسلام کے کھل جاتا ہے، اس کا سینہ کھل جاتا ہے۔ اس کو کہتے ہیں شرح صدر نصیب ہونا۔

شرح صدر نصیب ہونے کا کیا مطلب؟ کہ انسان دین پر عمل کرے مگر طمانیتِ

قلب کے ساتھ، دل کی چاہت کے ساتھ، شوق و ذوق کے ساتھ، محبت کے ساتھ۔ بوجھ سمجھ کر عمل نہ کرے، شریعت کے احکام اس کو مصیبت نہ نظر آئیں بلکہ اس کے اندر محبت ایسی ہو اللہ تعالیٰ کی کہ اس پر شوق و ذوق کے ساتھ عمل کرے۔ یوں سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ سے قانونی تعلق نہ رہے، جنونی تعلق بن جائے۔ اس کو کہتے ہیں شرح صدر نصیب ہو جانا۔

اب ہر مومن کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ یہ نعمت مجھے نصیب ہو جائے تو آج کی اس محفل میں اس عنوان پر گفتگو ہوگی کہ وہ شرح صدر کیسے حاصل ہو جائے۔

شرح صدر حاصل ہونے کے اسباب

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر کافی تفصیلی بات کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ چند اسباب ہیں جو بندہ ان اسباب کو حاصل کر لے، ان اسباب کو اختیار کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کو شرح صدر بھی عطا فرما دیتے ہیں۔

پہلا سبب

ایمان کہتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ لے کر آئے ان پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی تصدیق کرنا، اس کو قبول کر لینا، اس کو مان لینا۔ تو ماننے والے کو مومن کہتے ہیں اور اس کیفیت کا نام ایمان ہے۔ بن دیکھے ماننا اور دلیل نہیں مانگنی کہ قیامت کیسے آئے گی؟ جنت کیسے اور جہنم کیسے ہے؟ کوئی دلیل نہیں چاہیے، بس

ہم اعتماد کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت کے پیارے محبوب ﷺ جو فرما رہے ہیں وہ سچ ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں گواہی دیتے ہیں۔ اس گواہی دینے کو ایمان کہتے ہیں اور اس گواہی دینے کے بعد بندہ مومن بن جاتا ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی دی، نبی علیہ السلام کی رسالت کی گواہی دی، کتابوں کی گواہی دی، قیامت کے دن کی گواہی دی، ملائکہ کی گواہی دی، تقدیر کے بارے میں گواہی دی، اب یہ مومن بندہ اللہ تعالیٰ کا پیارا بندہ بن جاتا ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی عظمت کو قبول کرلیا، اس لیے کلمہ پڑھتے ہی اس کا سٹیٹس بدل جاتا ہے۔

دو طرح کے بندے:

اللہ تعالیٰ کی نظر میں بندوں کی تقسیم دو طرح کی ہے ارشاد فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ﴾ (التغابن:۲)

وہ ذات جس نے تمہیں پیدا کیا تم میں سے کچھ ماننے والے ہیں اور کچھ انکار کرنے والے ہیں۔

جو ماننے والے ہیں اللہ تعالیٰ کو ان سے ذاتی محبت ہے اور کفر اور کافری سے اللہ تعالیٰ کو ذاتی عداوت ہے، یہ بات بہت اچھی طرح سے اپنے دلوں میں بٹھا لیجیے کہ اللہ تعالیٰ کو ایمان والوں سے ذاتی محبت ہے اور کفر اور کافری سے اللہ تعالیٰ کو ذاتی عداوت ہے۔

مومن کا اعزاز:

اس لیے جس نے بھی کلمہ پڑھا اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ولایت کا تعلق مل گیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (البقرة:۲۵۷)

''اللہ تعالیٰ دوست ہے ایمان والوں کا''

اب دیکھیے حق تو یہ بنتا تھا کہ مومن کلمہ پڑھ رہا ہے تو یوں کہا جاتا کہ یہ ایمان والا اللہ کا دوست ہے، یوں بات کی جاتی مگر قربان جائیں محبت کچھ اور چاہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بندہ اتنا پیارا لگا کہ اس پروردگار عالم نے نسبت اپنی طرف فرمائی کہ ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ کہ اللہ تعالیٰ دوست ہے ایمان والوں کا۔

وقت کا ایک بادشاہ اگر کسی نوکر کے بارے میں کہے کہ میں اس کا دوست ہوں تو اس نوکر کے تو مزے ہوتے ہیں، اس سے بڑی تو اس کی عزت نہیں ہوسکتی۔ نوکر کی تو بادشاہ کے ساتھ پھر بھی کوئی حیثیت ہے، ہماری تو اللہ تعالیٰ کے سامنے وہ حیثیت ہے ہی نہیں۔ وہ پروردگار تو بہت عظیم ہے۔ اب اس پروردگارِ عالم کا یوں فرما دینا کہ ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ کہ اللہ تعالیٰ دوست ہے ایمان والوں کا۔ تو یہ مومنین کے لیے بہت بڑے اعزاز کی بات ہے۔

اللہ کی مومن سے محبت کی دلیل:

اللہ تعالیٰ کو ایمان والوں سے ذاتی محبت ہے۔ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ جی ایمان والوں سے اللہ کو ذاتی محبت ہے تو اس کی کوئی دلیل ہے؟ انہوں نے کہا کہ دلیل قرآن مجید میں ہے، جب دلیل قرآن مجید سے ملے تو مزا آجاتا ہے۔ اس نے کہا کہ جی وہ کیسے؟، کہنے لگے کہ جی محبت کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ انسان اپنے محبوب کو جتنا مرضی عطا کرے اس کو تھوڑا سمجھتا ہے کہتا ہے کہ نہیں میں نے تو کچھ بھی نہیں دیا۔ وہ کتنا ہی دے دے اسے تھوڑا سمجھے گا جبکہ محبوب اسے تھوڑی سی چیز بھیج دے تو اس کو تھوڑا نہیں سمجھتا، وہ خوشی سے پھولا نہیں سماتا کہ میرے محبوب نے مجھے یہ

بھیجا۔ تو محبوب کی چھوٹی چیز بھی زیادہ نظر آتی ہے اور اپنی دی ہوئی زیادہ چیز بھی تھوڑی نظر آتی ہے۔ جب یہ اصول طے ہو گیا تو دیکھیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو کتنی نعمتیں دیں۔

﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَاتُحْصُوْهَا﴾ (ابراھیم:۳۴)

''اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو تم گن بھی نہیں سکتے''

تو اللہ تعالیٰ نے ان گنت نعمتیں اپنے بندوں کو دینے کے بعد فرمایا:

﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ﴾ (النساء:۷۷)

''آپ فرما دیجیے گا کہ دنیا کی متاع تو تھوڑی سی ہے''

اتنا دے کر بھی اسے تھوڑا کہا، جبکہ بدلے میں بندے نے اپنے پروردگار کو یاد کیا اس کا ذکر کیا۔ اب بندے کی عمر بھی محدود، اس کا عمل بھی محدود، مگر چونکہ پیارا لگتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کو تھوڑا بھی زیادہ نظر آیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرَاتِ﴾ (الاحزاب:۳۵)

''کثرت کے ساتھ ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں''

تو ہمارے تھوڑے سے محدود ذکر پر کثیر کا لفظ استعمال کیا اور اپنی ان گنت نعمتوں پر اللہ نے قلیل کا لفظ استعمال کیا۔ یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مومن بندوں سے ذاتی محبت کی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ﴾ (المائدۃ:۵۴)

''اللہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے''

اب اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نسبت پہلے فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ایسی قوم لائے گا ﴿يُحِبُّهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرے گا ﴿وَيُحِبُّوْنَهٗ﴾ اور وہ اللہ سے محبت

کریں گے۔اب دیکھیے ! اللہ رب العزت کی یہ کتنی بڑی عطا ہے کتنی بڑی مہربانی ہے۔

ایمان، سب سے اعلیٰ نعمت:

تاہم مومن کے پاس دنیا میں بہت ساری نعمتیں ہیں، ان میں سے سب سے بڑی نعمت ایمان ہے۔مثال کے طور پر ایک نعمت مال بھی ہے، ایک نعمت جان بھی ہے، ایک نعمت عزت وآبرو بھی ہے، اور ایک نعمت ایمان بھی ہے۔

''ایمان'' سب سے اعلیٰ نعمت ہے جو بندے کے پاس ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ کوئی بندہ بیمار ہوتو اپنی جان بچانے کی خاطر سارا ''مال'' خرچ کر دے گا۔ وہ یہ نہیں دیکھے گا کہ میرا کتنا پیسا خرچ ہو رہا ہے، وہ کہے گا جی میری امی کی جان بچ جائے، میری بیوی کو صحت مل جائے کہ جی دعا کرو، میرا بیٹا ٹھیک ہو جائے اور کتنا خرچ ہو رہا ہے، اس کی اسے کوئی فکر نہیں، وہ کہتا ہے جی اسی لیے تو کمایا تھا۔

تو مال انسان قربان کرتا ہے جان کی خاطر اور اگر انسان سفر کر رہا ہو اور بیوی پاس ہو اور کوئی ڈاکو بیوی کی طرف بڑھے تو خاوند کبھی بھی اس وقت خاموش نہیں رہ سکتا۔اس کو اپنی جان کا خطرہ بھی ہوگا پھر بھی وہ کہے گا یہ میری عزت ہے، تو معلوم ہوا کہ اب وہ وہی قیمتی جان جس کو بچانے کے لیے وہ لاکھوں روپے خرچ کر رہا تھا، اب اپنی عزت وناموس کی خاطر قربان کرنے سے بھی پیچھے نہیں ہٹے گا۔تو معلوم ہوا کہ عزت جان سے بھی زیادہ عزیز ہوتی ہے۔

اور ایک نعمت ہے ''ایمان'' اس کو بچانے کے لیے انسان اپنا مال اپنی جان اپنی عزت سب کچھ قربان کر سکتا ہے ایمان ایسی نعمت ہے۔

چنانچہ ایک عیسائی بادشاہ شاہ روم کے دربار میں ایک صحابی گئے۔ اس نے بات کرتے ہوئے کہا: اگر تمہارے خلیفہ اپنی بیٹی کا نکاح میرے ساتھ کر دیں تو میں مسلمان ہو جاؤں گا، اس صحابی نے کہا کہ یہ فیصلہ میں تو نہیں کر سکتا۔ اس نے کہا: اچھا ان کو میرا پیغام دے دینا۔ چنانچہ وہ صحابی جب مدینہ طیبہ آئے تو عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ اس بادشاہ نے دوران گفتگو یہ کہا تھا کہ اگر تمہارے خلیفہ اپنی بیٹی کا نکاح کر دیں تو میں مسلمان ہونے کو تیار ہوں۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بھئی! تم نے ہاں کیوں نہ کر دی؟ وہ کہنے لگے کہ جی میں آپ سے پوچھے بغیر کیسے کر سکتا تھا؟ تو فرمانے لگے کہ کیا عمر کی بیٹی کی عزت کسی کے ایمان لانے سے بھی زیادہ قیمتی ہے؟ چنانچہ انہوں نے پھر اپنی بیٹی سے پوچھا۔ تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان ایمان کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر سکتا ہے۔

آج کے دور میں ایمان کی ناقدری:

یہ چیز اچھی طرح ذہن میں رکھیں آج کل فتنے کا دور ہے، اکثر دیکھا گیا کہ سب سے پہلے ایمان ہاتھوں سے جا رہا ہے، کیونکہ قدر و قیمت کا پتہ نہیں ہے۔ ہمارا حال شیخ سعدی والا ہے کہ اس کو والدہ نے سونے کی انگوٹھی پہنا دی اور وہ فرماتے ہیں کہ میں چھوٹا تھا کھیلنے کے لیے باہر نکلا تو ایک ٹھگ مل گیا۔ اس نے دیکھا کہ ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی ہے تو اس نے گڑ کی ڈلی نکالی اور مجھے کہتا ہے کہ اپنی انگوٹھی کو چوسو ذرا! میں نے زبان لگائی تو بے ذائقہ تھی۔ پھر اس نے مجھے گڑ کی ڈلی چکھائی، کہتا ہے کہ اس کو چوسو! جب اس کو چوسا تو میٹھا تھا، کہتا ہے میٹھی چیز لے لو پھیکی چیز دے دو۔ کہتے ہیں کہ میں اتنا چھوٹا نادان تھا کہ میں تیار ہو گیا، میں نے گڑ کی ڈلی لے لی سونے کی

انگوٹھی دے دی۔

آج یہی حال ہو رہا ہے کہ شیطانی قوتیں اس طرح ایمان والوں کو گھیر رہی ہیں کہ ان کو دنیا کی گڑ کی ڈلی دے رہی ہیں اور ان سے ایمان کی دولت لے رہی ہیں۔ اور لوگ بڑے ہنسی خوشی اس سودے پہ تیار ہو جاتے ہیں۔ ذرا کسی کو موقع ملے کسی ترقی یافتہ کافروں کے ملک میں جانے کا، اچھا بھلا سیٹ ہے، اولاد نیک ہے، اچھا کاروبار ہے، بھاگے گا ادھر، جی مجھے وہاں کی رہائش مل رہی ہے۔ اور یہ نہیں پتہ کہ وہاں جاؤں گا تو میری اگلی نسل ایمان پر بھی رہے گی یا نہیں۔ بندہ یہ فیصلے کیوں کرتا ہے؟ جب ایمان کی ویلیو کا پتہ نہیں ہوتا۔ اور جب اہمیت کا پتہ ہو پھر ساری دنیا کی نعمتوں کو ٹھوکر مار دیتا ہے، کہتا ہے کہ میں خشک روٹی کھا کر گزارا کرلوں گا، میں اپنے ایمان کا سودا نہیں کروں گا، تو ایمان بہت قیمتی نعمت ہے۔

نبی علیہ السلام کی ایمان پر ثابت قدمی کی نصیحت:

اس لیے نبی علیہ السلام نے ایک حدیث میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اگر تجھے ایمان سے ہٹانے کے لیے کوئی پھانسی دے دے، یا آگ میں بھی ڈال دے تو تو اپنے ایمان سے پیچھے مت ہٹنا۔ اور ہم بھی دلوں میں یہی نیت رکھیں کہ اے اللہ! ہم آزمائش کے قابل نہیں ہیں لیکن ہماری نیت یہ ہے کہ ہم ہر چیز قربان کر سکتے ہیں مگر ہم ایمان کی حفاظت کر کے دکھائیں گے اور اس کی حفاظت میں اے مالک! تو ہماری مدد فرمانا۔ ایمان کے بارے میں متفکر رہا کرو۔ بندہ ایسے ثابت قدم رہے جیسے پاؤں کے نیچے چٹان ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جو جادوگر ایمان لے کر آئے تو فرعون نے کہا

کہ میں تمہارے ایک طرف کا بازو اور ایک طرف کی ٹانگ کاٹ دوں گا تا کہ تمہارا بیلنس ہی نہ رہ سکے، تم کھڑے ہی نہ ہو سکو۔ انہوں نے کہا:

﴿فَاقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ﴾ (طٰہٰ:۷۲)

جو تو کر سکتا ہے تو کر لے!

اب ایمان ہمارے دل میں آ چکا اور ہم اس سے پیچھے ہٹنے والے نہیں۔

ایک تابعی کی ایمان پر استقامت:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک تابعی تھے ان کو بھی اسی طرح کسی کافر بادشاہ نے گرفتار کر لیا۔ اس نے بڑی کوشش کی کہ وہ ان کے دین پر آ جائے مگر وہ اپنے دین پر پکے رہے۔ حتیٰ کہ اس نے ان کو ڈرانے کے لیے تیل گرم کروایا اور کہا میں تمہیں اس میں ڈال دوں گا۔ انہوں نے گرم تیل کو کھولتے دیکھا تو آنکھوں میں سے آنسو آ گئے۔ تو بادشاہ سمجھا کہ یہ ڈر گئے ہیں اب میری بات مان لیں گے، تو اس نے کہا کہ آپ میری بات مان لیں میں آپ کو کھولتے تیل میں نہیں ڈالتا۔ کہنے لگے: بدبخت کیا تو سمجھتا ہے کہ میں اس لیے ڈر رہا ہوں کہ تو مجھے تیل میں ڈال دے گا؟ ۔ تو پھر رو کیوں رہے ہو؟ کہنے لگے کہ رو تو اس لیے رہا ہوں کہ مجھے خیال آیا کہ میرے جسم میں ایک جان ہے تو مجھے ڈالے گا میری جان چلی جائے گی، اے کاش! آج جتنے میرے بدن پر بال ہیں اتنی جانیں ہوتیں، اتنی مرتبہ تو مجھے ڈالتا، میں اتنی جانوں کا نذرانہ اپنے رب کو پیش کر دیتا۔ ان لوگوں کو ایمان کی قدر و قیمت کا پتہ تھا۔

ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ کی استقامت:

چنانچہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسیلمہ کذاب ایک جھوٹا نبی پیدا

ہوا اور اس کی طرف پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو فوج بھیجنی پڑی۔ ایک تابعی تھے ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ وہ کہیں اس کی فوجوں کے قابو میں آ گئے۔ تو مسیلمہ کذاب نے کہا کہ تم مجھے نبی مانو! کہنے لگے کہ ہرگز نہیں، اس نے کہا کہ میں تمہیں آگ میں ڈلوا دوں گا، کہنے لگے: جو مرضی کر، چنانچہ اس نے آگ جلوائی اور ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ کو آگ میں ڈالا۔ اللہ کی شان اللہ نے امتِ محمدیہ کے اس غلام کے لیے آگ کو اسی طرح ٹھنڈا کر دیا جیسے ابراہیم علیہ السلام کے لیے ٹھنڈا کیا تھا۔ چنانچہ کافی دیر آگ میں رہنے کے بعد اس پر آگ کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اس کے قریب کے لوگ نے کہا کہ یہ جادوگر ہے تیرے باقی ماننے والوں کو بھی ہٹائے گا اسے بھگاؤ یہاں سے۔ انہوں نے چھوڑ دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کے دل میں خیال آیا کہ میرے رب نے مجھ پر اتنا کرم کیا کیوں نہ میں اپنے محبوب، اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ طیبہ حاضری دوں۔

چنانچہ یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضری دینے کے لیے روضہ انور پر مسجد نبوی میں حاضر ہوئے، انہوں نے نماز پڑھی، عمر رضی اللہ عنہ نے بھی قریب نماز پڑھی۔ عمر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ وہ بندوں پر نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ پردیسی سا آدمی ہے، پوچھا کہاں سے ہو؟ کہنے لگے کہ فلاں علاقے سے، کہنے لگے: اس علاقے میں سنا ہے ایک آدمی ہے جس کو مسیلمہ کذاب نے آگ میں ڈالا مگر اللہ نے اس کی حفاظت فرمائی۔ تو انہوں نے کہا جی۔ تو عمر رضی اللہ عنہ کو فراست تھی پہچان گئے، کہنے لگے: کہ آپ وہی ہیں۔ کہنے لگے کہ جی۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا آؤ میں تمہیں امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ملاتا ہوں، چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ ان کو لے گئے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملایا اور وہاں پر امیر المومنین نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ جس نے اپنے محبوب کے امتیوں کے ساتھ وہ معاملہ کر دکھایا جو اس نے اپنے خلیل کے ساتھ کیا تھا۔

تو ایمان ایسا قیمتی ہے آگ میں بھی ڈالا جائے پرواہ نہیں ہے۔

ایمان سیکھنے سے آتا ہے رحمۃ اللہ علیہ

یہ ایمان جو ہے نا یہ سیکھنا پڑتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرمایا کرتے تھے:

تَعَلَّمْنَا الْاِیْمَانَ ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْاٰنَ

''پہلے ہم نے ایمان سیکھا پھر ہم نے قرآن سیکھا''

یہ ایک عجیب نعمت ہے ایمان کی جب انسان کو نصیب ہوتی ہے تو انسان کو سینے میں حلاوت محسوس ہو جاتی ہے۔

ایمان کی قدر قربانی سے آتی ہے:

لیکن اس پر انسان کا اگر کچھ لگے تو قدر پھر آتی ہے۔ جب لگتا کچھ نہیں اور ماں باپ نے بچپن میں کلمہ پڑھا دیا اور دیکھا دکھائی ہم وہی کر رہے ہیں جو سب کر رہے ہیں تو پھر اس کی اتنی قدر نہیں ہوتی۔ اس لیے آپ غور کریں گے کہ جو لوگ خود کلمہ پڑھتے ہیں وہ ایمان کے اوپر بڑے پکے ہوتے ہیں، اس لیے کہ انہوں نے قربانیاں دی ہوتی ہیں۔

ایک نوجوان لڑکے کو کسی نے دیکھا کہ بڑی قیمتی خوبصورت چادر ہے اس سے اپنا جوتا صاف کر رہا ہے۔ پوچھا کہ بھئی خیر تو ہے کہ جوتا دس روپے کا اور یہ قیمتی چادر سو روپے کی، کیا کر رہے ہو؟ تو کہنے لگا بس جوتا صاف کر رہا ہوں۔ وہ سمجھدار تھا، اس نے کہا کہ بتاؤ یہ جوتا کس نے خریدا؟ یہ چادر کس نے خریدی؟ کہنے لگا کہ جوتا میں نے خریدا، چادر ابو نے خریدی تھی۔ چونکہ چادر مفت ملی تھی تو سو روپے کی چادر کی بھی کوئی ویلیو نہیں اور دس روپے اپنے لگے تھے اس لیے جوتے کی قدر کا پتہ تھا، لہٰذا اس چادر

سے جوتا صاف کرر ہا تھا۔

اس لیے اس ایمان پر ہمیں خود بھی اپنا جان مال اور وقت لگانا چاہیے پھر اس کی قدر و قیمت آئے گی۔ ہمارے تبلیغی بھائی یہی بات تو ساری دنیا میں بتاتے پھر رہے ہیں کہ جان مال وقت لگے گا پھر قدر و قیمت آئے گی۔ اور یہ بات سو فیصد اپنی جگہ سچی پکی ہے۔

ایمان کی حقیقت تلواروں کے سائے میں:

صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے تھے کہ ہم نے ایمان کی حقیقت کو بدر والے دن تلواروں کے سائے کے نیچے سیکھا تھا، جب بغیر اسباب کے میدان جنگ میں پہنچ گئے تھے اور سامنے لوہے میں ڈوبی فوج تھی۔ قرآن عظیم شان گواہی دے رہا ہے کہ

﴿كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ﴾ (الانفال:٦)

''گویا موت کے منہ میں دھکیلے جا رہے ہیں وہ اسے دیکھ رہے ہیں''

ان کو لگتا تھا کہ ہم تو موت کے منہ میں دھکیلے جا رہے ہیں۔ جب سب اسباب پیچھے رہ گئے تھے، اب مسبب الاسباب کی طرف توجہ گئی ایسے ہی ایمان بنتا ہے۔ جو ایمان انہوں نے تلواروں کے سائے کے نیچے سیکھا، آج ہم لوگ پنکھوں کی ٹھنڈی ہوا کے نیچے بیٹھ کر سیکھنا چاہتے ہیں۔ اللہ رب العزت کو ان کا ایمان اتنا پسند آیا کہ دلوں کے بھید جاننے والے پروردگار نے فرمایا:

﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا﴾ (الانفال:٤)

کہ یہ سچے مومن ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے ایمان کو معیار بنا کر باقی لوگوں کے لیے نمونہ بنا دیا، فرمایا:

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ (البقرة:١٣٧)

''اگر یہ ایمان لائیں جس طرح کہ تم ایمان لائے پھر یہ ہدایت پائیں گے''

تو صحابہ کرام کے ایمان کو اللہ تعالیٰ نے معیار بنا دیا۔

ایمان دنیا کے ثبات کا ذریعہ ہے:

مومن اللہ تعالیٰ کو اتنا پیارا ہے کہ جب تک ایک مومن بھی دنیا میں رہے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کو قائم نہیں فرمائیں گے۔ جب تک ایک بندہ بھی اللہ اللہ کہنے والا دنیا میں رہے گا اللہ تعالیٰ اس دنیا کی بساط کی نہیں سمیٹیں گے۔ اس سے آپ ایمان کی طاقت کا اندازہ لگائیے کہ وہ اس پوری دنیا کے محفوظ رہنے کا، سلامت رہنے کا سبب بنا ہوا ہوتا ہے۔

ایمان کی حقیقت:

اب اس پر علمی گفتگوں کی بھی بہت تفصیل سے ہے جو محدثین طلبا کے سامنے کرتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے سوال: کیا آپ مومن ہیں؟ کے جواب میں کہا کہ

اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ

اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا

''میں پکا مومن ہوں''

دونوں نے بات سچ کہی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ظاہری کیفیت کو دیکھ کر کہا، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں پکا مومن ہوں کوئی شک کی گنجائش ہی نہیں، اس لیے کہ شک سے تو ایمان فاسد ہو جاتا ہے، جس طرح سرکے سے شہد فاسد ہو جاتا ہے۔ تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شک کی گنجائش ہی نہیں، پکی بات کرو، بات کرتے ہوئے

پاؤں کے نیچے چٹان ہو۔ میں پکا مومن ہوں۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھئی! بات تو انجام پر ہوتی ہے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِیْم کہ پتہ نہیں موت ایمان پر آئے گی کہ نہیں، امید کرتا ہوں لہٰذا اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ۔

بہر حال آج کے زمانے میں تو ہمیں اَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا یہ اس بات دلوں کے اندر پکا کر لینا چاہیے۔ اس لیے کہ ذرا سی بھی آپ گنجائش رکھیں نا تو شیطان کو دروازہ مل جائے گا وہی سے شک ڈالنا شروع کر دے گا۔

مضبوط ایمان دلیل نہیں مانگتا:

امام راضی رحمۃ اللہ علیہ نے وجودِ خداوندی پر سو دلائل جمع کیے تھے۔ ایک مرتبہ شیطان ان کے سامنے آیا، انہوں نے اسے کہا کہ دیکھ میرا ایمان کتنا پکا! کہتا ہے کیسے؟ کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے وجود کے بارے میں سو دلائل اکٹھے کیے ہیں، اس نے کہا کہ آپ کا ایمان کچا ہے۔ انہوں کہا کہ یہ کیسی بات کر دی کہ میرا ایمان کچا؟ اس نے کہا کہ ہاں پکا دیکھنا ہے تو یہ جو دیہاتی جا رہا ہے اس کا ایمان پکا ہے۔ امام رازی نے پوچھا: وہ کیسے؟ اس نے کہا: دیکھیں ذرا! اب شیطان اس دیہاتی کے پاس گیا، ایک آدمی کی شکل میں اور جا کر کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود نہیں ہے۔ جیسے ہی اس نے کہا تو دیہاتی نے جوتا اتار لیا، کہا: تیری ایسی تیسی خبردار تو نے یہ بات کرنے کی جرأت کیسے کی؟ یہ بھاگا وہاں سے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کو آ کر کہتا ہے کہ دیکھ! ایمان اس کا پکا ہے جو بات سننے کو تیار نہیں اور تم تو دلائل کی باتیں کرتے ہو، سو دلیلیں دو گے میں سو دلیلوں کو توڑ دوں گا، تمہیں پھر شک پیدا ہو جائے گا، ایمان ضائع ہو جائے گا۔

تو اس لیے ایمان کے معاملے میں بندے کو ٹھوس اور پکا ہونا چاہیے، اس دیہاتی

کی طرح کہ ہم نے کوئی اس قسم کی بات ہی نہیں سنی۔ لہٰذا شرع شریف کے خلاف کسی کی عقل کی باتیں مت سنو! آج کے دور میں انٹرنیٹ پر، ادھر ادھر کفر نے ایسے سوالات کرنے شروع کر دیے تا کہ ایمان والوں کا ایمان ضائع ہو جائے، وہ شک میں پڑ جائیں۔ موٹی سی بات ہے کہ بھئی ہم ہر چیز کو تو نہیں جانتے، ہر چیز کا ہمیں نہیں پتا لیکن اتنا ہم مان چکے ہمارا پروردگار ایک ہے، موجود ہے، ہم اس کے خلاف کوئی بات سننے کے لیے تیار ہی نہیں۔ اس طرح پھر ایمان ہر حال میں محفوظ رہے گا۔ ورنہ تو پھر آج کل بعض جگہوں پر تو مسلمانوں والا نام کہلوانا ہی لوگوں پر مشکل ہو گیا ہے۔

ایمان کی ایک نشانی:

ایمان کی ایک پہچان اور نشانی ہے۔ وہ یہ کہ جب بھی کوئی بندہ گناہ کرتا ہے تو دل میں ندامت اور خلش ہوتی ہے، گناہ کرنے پر دل میں خلش یا ندامت کا محسوس ہونا، یہ ایمان کی علامت ہوا کرتی ہے۔

ایمان ضائع ہونے کی تین وجوہات:

ہمارے مشائخ نے لکھا کہ ایمان تین وجوہات سے ضائع ہوتا ہے بڑی اہم بات ہے۔

(۱) سب سے پہلی وجہ نعمت اسلام کے ملنے پر اللہ کا شکر ادا نہ کرنا۔ جو انسان اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتا کہ اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے مجھے ایمان والا بنایا، یہ ایک طرح کی ناشکری ہوتی ہے اور ناشکری سے نعمتیں زائل ہو جاتی ہیں۔ اس ناشکری سے ایمان بندے سے واپس لے لیا جاتا ہے۔

(۲) دوسری وجہ نعمتِ اسلام کے چھننے سے بے خوف ہونا۔ یعنی انسان اپنے ایمان

کے بارے میں بے خوف ہو جائے، اس کو دل میں یہ خوف ہی نہ ہو کہ پتہ نہیں میں اس نعمت کو موت تک پہنچا بھی سکوں گا یا نہیں۔ جب یہ خوف دل سے نکل گیا، بے خوف ہو گیا تو پھر بھی اللہ تعالیٰ اس نعمت سے بندے کو محروم کر دیتے ہیں۔

۳ تیسری وجہ یہ کہ بندہ مسلمانوں کی دل آزاری کو معمولی سمجھتا ہو۔ کسی کا حق مارا سمجھتا ہے کوئی مسئلہ نہیں، کسی کا یہ کیا، کسی کا وہ کیا اور اس یہ کو سمجھے ہی کچھ نہ، تو فرمایا جو مسلمانوں کی دل آزاری کو معمولی سمجھتا ہو اس سے اللہ رب العزت اسلام والی نعمت کو واپس لے لیا کرتے ہیں۔

ایمان کیسے محفوظ رہے؟

اب ہر بندے کا جی چاہتا ہے کہ میرا ایمان محفوظ رہے تو اس کے ایک بنیادی اصول (Thumb Rule) سن لیجیے، موٹا اصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ﴾ (ابراہیم:۷)

''اگر تم شکر ادا کرو گے تو ہم اپنی نعمتیں اور زیادہ عطا فرمائیں گے''

لہٰذا جو مومن بھی ایمان کی نعمت پر اللہ تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ شکر ادا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو محروم نہیں ہونے نہیں دیں گے۔ اسکے ایمان کو روز بروز بڑھاتے چلے جائیں گے۔ تو ایمان محفوظ کرنے کا سب سے بہترین دستور روزانہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ میرے مولیٰ آپ مجھے کلمہ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی، یہ آپ کا احسان ہے، یہ آپ کی مہربانی ہے، میں اس پر آپ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں۔ جتنا ہم اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے، اتنا اللہ رب العزت ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائیں گے۔ اور ہم موت تک اس کی حفاظت کے ساتھ دنیا سے چلیں جائیں گے۔

دوسرا سبب

علم حاصل کرنا

شرح صدر حاصل ہونے کا دوسرا سبب علم کی نعمت ہے۔
علم سے مراد علمِ دین ہے۔علم دین ایک روشنی ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا:
اَلْعِلْمُ نُوْرٌ
علم ایک نور ہے۔
لہٰذا اس نور کو حاصل کرنے کے لیے ہر مومن کو کوشش کرنی چاہیے۔ ہر بندہ تفصیلی علم تو حاصل نہیں کرسکتا مگر یہ کہاں لکھا ہوا ہے کہ ہم ساری عمر جاہل ہی رہیں۔ لہٰذا جو جس درجے میں علم حاصل کرسکتا ہے، وہ کرتا رہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا:
اُطْلُبُوْا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَی اللَّحْدِ
''علم حاصل کرو پنگھوڑے سے لے کر قبر میں جانے تک''
جس عمر میں بھی بندہ ہو وہ علما کے پاس بیٹھ کر، مسائل سیکھے، قرآن پاک کا ترجمہ پڑھے، وہ احادیث مبارکہ پڑھے، وہ دعائیں یاد کرے، ضروریاتِ دین کیا ہیں اس کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔ ہر مسلمان مرد اور عورت کے اوپر یہ ضروری ہے۔

علم ایک نور ہے:

علم معلومات کا نام نہیں بلکہ ایک نور کا نام ہے۔ چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے تھے تو انہوں نے دیکھ کر فرمایا تھا کہ اے نوجوان! میں

تیرے سینے میں ایک نور دیکھتا ہوں تم اس نور کی حفاظت کرتے رہنا۔ وہ علم کا نور تھا جو اللہ نے ان کے سینے میں عطا فرما دیا تھا۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار بھی اسی طرح ہیں انہوں نے امام وقیع سے پوچھا تھا کہ میں بھول جاتا ہوں تو انہوں نے کہا کہ گناہ چھوڑ دو تو فرماتے ہیں:

شَكَوْتُ اِلٰى وَكِيْعٍ سُوْءَ حِفْظِىْ
فَاَوْصَانِىْ اِلٰى تَرْكِ الْمَعَاصِىْ
فَاِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِّنْ اِلٰهِىْ
نُوْرُ اللّٰهِ لَا يُعْطٰى لِعَاصِىْ

علم اللہ تعالیٰ کا نور ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ نور گناہ گار کو نہیں دیا جاتا۔

حضرت مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ پوچھا طلبہ سے علم کا مفہوم کیا ہے؟ کسی نے کہا جاننا، کسی نے کہا پہچاننا، طلبا جواب دیتے رہے، حضرت خاموش رہے۔ کسی نے کہا کہ حضرت! آپ ہی بتا دیں کہ علم کا مفہوم کیا ہے؟ تو حضرت نے فرمایا کہ علم وہ نور ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد اس پر عمل کیے بغیر چین نہیں آتا، یہ کیفیت ہے تو یہ نور نصیب ہو گیا اور اگر نہیں تو پھر یہ علم نہیں وبال ہے۔

چنانچہ ہمارے اکابر نے لکھا ہے، جب دارالعلوم دیوبند میں پڑھانے والے بھی صاحب نسبت ہوتے تھے، پڑھنے والے بھی کئی صاحب نسبت ہوتے تھے، تو فرماتے ہیں کہ اس وقت طلبا کا یہ حال ہوتا تھا کہ جب دارالحدیث سے حدیث کا سبق پڑھ کر نکلتے تھے تو ان کے چہروں پر اتنا نور ہوتا تھا کہ باہر دیکھنے والے لوگ یوں سمجھتے تھے کہ یہ معتکف حضرات ہیں جو اعتکاف کے بعد واپس نکل رہے ہیں۔ یعنی جیسے معتکف کے چہرے پر اعتکاف کے مکمل ہونے کے بعد نور ہوتا ہے، ایسے ہی وہ فرماتے ہیں کہ

حدیث کا درس سننے پر ہمارے چہروں پر نور آجاتا تھا۔

علم حاصل ہونے کی علامت:

چنانچہ اکمال الشیم میں لکھا کہ علم نافع وہی ہے جس کی شعائیں سینہ ودل میں پھیل جائیں اور شکوک وشبہات کے پردوں کو پھاڑ دیں۔ ہمارے اکابر نے فرمایا کہ جتنا علم بڑھے، اتنا خوف خدا بھی بڑھنا چاہیے۔

﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ (فاطر:۲۸)

''بیشک اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں وہی لوگ جو علم والے ہیں''

تو علم جتنا بڑھے اتنا ہی خوف خدا بھی دل میں بڑھتا چلا جائے۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ بیشک علم کے ساتھ سو جانا جہالت کے ساتھ نماز پڑھنے پر زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

علمی سوال پر مغفرت:

چنانچہ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ جب کوئی آدمی محتاج ہو اور وہ کسی دروازے پر روٹی کا سوال کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ تین بندوں کی مغفرت فرماتے ہیں۔

جس نے مال کمایا اس کی بھی مغفرت۔ جس نے کھانا پکایا اس کی بھی مغفرت اور جس نے اس فقیر تک کھانا پہنچایا اس کی بھی مغفرت فرما دیتے ہیں۔ تین بندوں کی مغفرت، جس نے روٹی کا سوال کیا۔

لیکن جس طالب علم نے استاد سے علمی سوال پوچھا تو اس سوال کے پوچھنے پر اللہ تعالیٰ چار بندوں کی مغفرت فرماتے ہیں۔

سب سے پہلے سوال پوچھنے والے کی مغفرت ہو جاتی ہے۔

دوسرا جواب دینے والے (استاد) کی بھی مغفرت ہو جاتی ہے۔
تیسرا جو گرد بیٹھے ہوتے ہیں محفل میں سننے والے ان کی بھی اللہ مغفرت کر دیتے ہیں۔
اور چوتھا جو اس محفل کے انعقاد کا ذریعہ بن رہے ہیں وہ معاونین حضرات اپنے گھروں میں بیٹھے ہیں لیکن ان سے محبت رکھنے کی وجہ سے ان کی بھی مغفرت کر دی جاتی ہے۔
اس سے اندازہ لگائیے کہ اللہ رب العزت کو علم کا حاصل کرنا کتنا محبوب ہے۔

تیسرا سبب

دل میں محبت الٰہی کا ہونا

اور تیسری چیز جس سے شرح صدر کی کیفیت حاصل ہوتی ہے یہ ہے کہ محبت الٰہی دل میں ایسی سما جائے کہ ماسوا کی محبت کو دل سے ختم کر دے۔ایک دل میں دو محبتیں نہیں سما سکتیں۔محبت ایک کی ہی سمائے گی خالق کی محبت سمائے گی یا مخلوق کی محبت سمائے گی۔

مخلوق کی محبت جب کہی جاتی ہے تو اس سے مراد نفسانی، شیطانی، شہوانی محبتیں ہیں جو خلاف شرع انسانوں کو اِدھر اُدھر ہو جاتی ہیں۔جن محبتوں کا شریعت نے حکم دیا ماں باپ کی محبت، بہن بھائی کی محبت، میاں بیوی کی محبت، مسلمان بھائی کی آپس میں محبت، یہ تمام شرعی محبتیں ہیں۔یہ حقیقت میں اللہ رب العزت کی محبت ہی کی آگے تفصیلات ہیں۔تو ان تمام محبتوں کو اللہ تعالیٰ کی ہی محبت کہا جاتا ہے۔جب ہم ماسوا کی محبت یا غیر کی محبت کی بات کرتے ہیں، اس سے مراد ہوتا ہے کہ شریعت کے دائرے

سے نکل کر لذتوں کی خاطر شہوتوں کے پیچھے لگ کر ہوس کے تحت جو انسان کے تعلقات ہوتے ہیں اس سے وہ محبتیں مراد ہیں۔ تو انسان کے دل کے اندر ایک اللہ تعالیٰ کی محبت ہو اور باقی سب ماسوا کی محبتیں دل سے ختم ہو جائیں۔ یعنی اللہ سے محبت ہو اور اگر کسی سے محبت ہو تو اللہ رب العزت کی وجہ سے محبت ہو، ماسوا کی محبت ختم ہو جائے۔

محبت الٰہی کہاں سے ملتی ہے؟

اس کیفیت کو حاصل کرنے کے لیے محنت کرنی پڑتی ہے، اس کیفیت کو سیکھنے کے لیے مشائخ کی صحبت میں وقت گزارنا پڑتا ہے، ٹریننگ لینی پڑتی ہے۔ ہاسپٹلائیز ہونا پڑتا ہے، کورس لینا پڑتا ہے، جیسے اینٹی بائیوٹک کے کورسز ہوتے ہیں تو اللہ والے بھی اسی طرح کے کورس کرواتے ہیں۔ پھر یہ ہوتا ہے کہ ان کے پاس کچھ وقت گزارنے کے بعد روحانی بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔ بندے کے دل میں اللہ رب العزت کی محبت بھر جاتی ہے۔ جیسے مقناطیس کے پاس لوہا رہے تو اس میں بھی مقناطیسیت آ جاتی ہے، اسی طرح اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھ کر بندے کے دل میں بھی اللہ رب العزت کی محبت بھر جاتی ہے۔

دو محبتیں ایک ساتھ نہیں ہو سکتیں:

اور اگر کوئی بندہ یہ سمجھے کہ جی میری نفسانی محبتیں بھی چلتی رہیں اور مجھے اللہ تعالیٰ کی محبت بھی مل جائے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ مَاجَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ﴾ (الاحزاب:۴)

''اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کے پہلو میں دو دل نہیں بنائے''

اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے سینے میں دو دل نہیں رکھے کہ ایک دل رحمٰن کو دے

دے اور دوسرا دل نفس اور شیطان کو دے دے۔ فرمایا نہ نہ دل ایک ہے اور ایک ہی کے لیے ہے۔ یہاں ایک ہی کا معاملہ ہے اس ایک کی محبت دل میں بیٹھا لینا، اسی کو توحید کہتے ہیں۔

شرک برداشت نہیں:

اس لیے اللہ تعالیٰ کو شرک سے بہت زیادہ نفرت ہے، ارشاد فرمایا: جو گناہ لے کر آؤ میں جو چاہوں گا بخش دوں گا لیکن میں شرک کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔ جیسے مرد کی غیرت بھی گوارا نہیں کرتی کہ اس کی بیوی کے دل میں اس کی محبت کے علاوہ کسی دوسرے کی بھی محبت ہو، خاوند کبھی گوارا نہیں کرتا۔ اگر کسی کی بیوی کہے کہ میں آپ کی بھی بیوی ہوں تو وہ شاباش دے گا یا جوتے مارے گا؟ کافر ہوگا تو ہوسکتا ہے کہ اس کو حلوہ ہی کھلا دے، لیکن مومن کا معاملہ تو کوئی اور ہوتا ہے۔ مومن کبھی برداشت نہیں کر سکتا جو بیوی کہے گی کہ میں آپ ہی کی بیوی ہوں۔ لیکن اگر وہ کہے جی میں آپ کی بھی بیوی ہوں تو وہ اس کو کہے گا تو پھر یہاں سے دفع ہو جا۔ اللہ رب العزت کا بھی معاملہ ہے کہ جو کہے کہ اللہ میں آپ کا بھی بندہ ہوں اور نفس اور شیطان کی بھی چاہتوں کو پورا کرتا ہوں، فرماتے ہیں پھر دفع ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت گوارا نہیں کرتی کہ مومن اس کے سوا کسی اور کے سامنے اپنا سر جھکائے، سجدہ کرے۔ محبت کا وہ تعلق جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونا چاہیے وہ اس کے غیر کے ساتھ استوار رکھے یہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں۔

یہ تو عورتیں بھی پسند نہیں کرتیں۔ واقعہ لکھا ہے کہ ایک خاتون کو کسی نے دیکھا، اس نے کہا کہ جی مجھے تو آپ بہت ہی اچھی لگتی ہیں، مجھے تو آپ سے بڑی محبت ہے اس نے کہا کہ میری بہن پیچھے آرہی ہے، وہ مجھ سے بھی زیادہ خوبصورت ہے تو اس

نے گھوم کر پیچھے دیکھا تو اس نے جوتا اتار کے سر پر لگایا، اس نے کہا کہ اگر تم اپنی محبت میں سچے ہوتے تو تم دوسری کی طرف کبھی نظر نہ اٹھاتے۔ تو جب دنیا کی عورت گوارہ نہیں کرتی تو اللہ رب العزت کیسے اس چیز کو گوارہ کرتے ہیں۔

بتوں کو توڑ تخیل کے ہوں یا پتھر کے:

اس لیے اللہ رب العزت کی ہی محبت بندے کے دل میں ہو باقی جو خیالات کے بت بندے کے اندر ہیں، انسان ان کو دل سے نکال دے۔

بتوں کو توڑ تخیل کے ہوں یا پتھر کے

یہ بت توڑنے ہی پڑتے ہیں، پتھر کے بنے ہوں جو ظاہر میں نظر آتے ہیں یا اندر تخیل کے بت ہوں۔ ہوسکتا ہے کسی کے دل میں زن کا بت پڑا ہو، کسی کے دل میں کسی کلاس فیلو کا بت پڑا ہو، کسی کے دل میں کسی اور کا یہ بھی بت ہوتے ہیں۔

﴿مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْ أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ﴾ (الانبیا:۵۲)

''یہ کیسی مورتیں ہیں جن پر تم مجاور بنے بیٹھے ہو''

اسی لیے یہ دل کبھی کبھی انسان بت خانہ بنالیتا ہے، یا گند خانہ بنالیتا ہے، تو دل سے ان تمام محبتوں کو ختم کر کے ایک اللہ رب العزت کی محبت کو دل میں رکھا جائے۔

صاحب اکمال الشیم فرماتے ہیں کہ جب تک دل نازیبا حرکتوں سے باز نہ آئے اس میں دقائق واسرار سمجھنے کی اہلیت پیدا نہیں ہوتی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

عشق با مردہ نباشد پائیدار
عشق را باحی باقیوم

اس لیے معزز سامعین مرنے والوں اور ڈھلنے والوں سے کیا محبت کرنی، محبت کرے انسان اس ذات کے ساتھ جو حی لا یموت ہے۔ اس لیے نبی ﷺ کے

پاس جبرئیل علیہ السلام آئے، عرض کیا: اے اللہ کے محبوب!

عِشْ مَنْ شِئْتَ فَاِنَّکَ مَیِّتٌوْنَ

جتنا چاہیں زندگی گزاریں، ایک دن موت آنی ہے۔

وَ اَحْبِبْ مَنْ شِئْتَ فَاِنَّکَ مَفَارِقُہٗ

جس سے چاہیں آپ محبت کریں، ایک دن آپ کو جدا ہونا ہے۔

تو جب دنیا میں جدا ہونا ہی ٹھہرا تو پھر انسان کیوں نہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرے۔

مخلوق سے محبت بھی اللہ کے لیے ہو:

تو مخلوق سے محبت بھی اللہ رب العزت کے لیے ہو، جیسے نبی علیہ السلام کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بھی محبت تھی، عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی محبت تھی۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ کسی نے پوچھا کہ آپ کو سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس نے کہا: مردوں میں سے کس سے؟ آپ نے فرمایا: عائشہ کے والد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے۔ مگر وہ محبت دین کے لیے تھی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک جگہ پر فرمادیا:

لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَکْرٍ خَلِیْلًا

''اگر میں دنیا کے اندر کسی کو اپنا خلیل بناتا تو میں ابو بکر کو اپنا خلیل بنالیتا مگر میرا خلیل فقط میرا مولیٰ ہی ہے''

تو یہ جو میاں بیوی کا تعلق ہے یہ بھی اللہ رب العزت کی نسبت سے محبت کا تعلق ہے، اصل محبت دلوں میں اللہ رب العزت کی ہی ہے۔ تو اللہ رب العزت سے اس میں بھی زیادتی مانگنی چاہیے، شکر ادا کرنے پر اللہ تعالیٰ اس نعمت میں زیادتی عطا فرما دیتے ہیں۔

چھ یقینی چیزیں

بلکہ مشائخ نے تو لکھا کہ چھ چیزیں ایسی پکی ہیں کہ ان پر بندہ قسمیں بھی کھا سکتا ہے۔

﴿۱﴾ شکر پر نعمت میں زیادتی یقینی:

پہلی بات کہ اگر انسان کسی نعمت کا شکر ادا کرے گا تو اس نعمت میں یقیناً اللہ تعالیٰ اضافہ عطا فرمائیں گے۔ اس پر قسم کھائی جا سکتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ﴾ (ابراہیم:۷)

﴿۲﴾ صبر پر اجر یقینی:

فرمایا جو بندہ بھی مصیبت پر پریشانی پر صبر کرے گا تو اللہ رب العزت اس کو اس صبر پر ضرور اجر عطا فرمائیں گے۔ اس پر بھی انسان چاہے تو قسم کھا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (زمر:۱۰)

''بے شک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا''

قرآن اس پر تصدیق کر رہا ہے۔

﴿۳﴾ توبہ پر معافی یقینی:

اسی طرح جو بندہ توبہ دل سے کر لے تو معافی ملنی یقینی بات ہوتی ہے۔ توبہ پکی کرے اور دل سے کرے جس کو توبۃ النصوح کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ توفیق ہی اس وقت دیتے ہیں جب وہ اس کی توبہ کو قبول کرنے کا ارادہ فرما لیتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْ عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ

مَا تَفْعَلُوْنَ﴾ (شوریٰ: ۲۵)

''اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور جانتا ہے جو تم کرتے ہو''

﴿۴﴾ استغفار پر رزق میں برکت یقینی:

اسی طرح جو انسان استغفار کثرت کے ساتھ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے رزق میں یقینی برکتیں عطا فرماتے ہیں۔ کثرتِ رزق کے ساتھ اللہ تعالیٰ اس کو رزق میں یقینی برکتیں عطا فرماتے ہیں۔

﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًاo يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًاo وَيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ o وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهَارًاo﴾ (نوح: ۱۰۔۱۲)

﴿۵﴾ دعا کی قبولیت یقینی:

اسی طرح پانچویں چیز کہ دعا کے بعد قبولیت کا ہونا یقینی ہے، توفیق ہی تب ملتی ہے، جب بندے کو اللہ تعالیٰ قبول فرمانا چاہتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا:

﴿ اُدْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ (مومن: ۶۰)

''تم دعا مانگو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کرتا ہوں''

مگر یہ کہ کوئی ایسا برا عمل ہو جائے جس سے دعا ہی بیکار ہو جاتی ہے۔ جیسے نبی علیہ السلام نے فرمایا: جس کا کھانا حرام، جس کا لباس حرام، وہ غلافِ کعبہ کو بھی پکڑ کر دعا مانگے قبول نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ وہ حرام کی نحوست کی وجہ سے ہے، اگر یہ نحوستیں نہ ہوں اور حلال پر زندگی گزارنے والا بندہ اپنے رب سے دعا مانگے، اللہ تعالیٰ بندے کی دعا کو کبھی بھی رد نہیں فرماتے۔

۶ صدقے پر مال میں اضافہ یقینی:

اور چھٹی چیز، جو بھی انسان اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے مال کو صدقہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس مال کے بدلے میں اس کو ضرور مال عطا فرما دیتے ہیں۔اس کے بارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حدیث پاک میں قسم اٹھا کر فرمایا۔اللہ رب العزت کے محبوب کا ویسے ہی فرما دینا بہت کافی تھا کہ ایک سچے کی زبان سے یہ کلمات نکلے مگر نہیں اللہ تعالیٰ کے محبوب نے قسم کھا کر فرمایا کہ صدقہ کرنے سے اللہ تعالیٰ انسان کے مال میں کمی نہیں ہونے دیتے۔چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴾ (سبا:۳۹)

''جو بھی تم خرچ کرتے ہو وہی اس کا عوض دینے والا ہے، اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے''

کہ تم جو چیز بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرو گے تو اس کے پیچھے تمہیں وہ نعمت اور بھی مل جائے گی۔

چوتھا سبب

ذکر اللہ کی کثرت کرنا

چوتھا سبب جس سے شرح صدر حاصل ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرنا۔

اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے بندے ذکر کثیر کریں اس لیے ارشاد فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ﴾ (الاحزاب:۴۱)

''اے ایمان والوں اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرو''

اور کثرت کے ساتھ ذکر وہی ہوتا ہے جو ہر وقت کیا جائے۔ارشاد فرمایا:

﴿اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ﴾

(ال عمران:۱۹۱)

''وہ لوگ جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہوئے''

تینوں حالتوں میں جو بندہ اللہ کا ذکر کرے۔انہی کو اللہ تعالیٰ نے اولو الباب فرمایا۔کہ وہ عقل مند لوگ ہیں اور فرمایا:

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ﴾ (النور:۳۷)

''میرے وہ بندے جن کو تجارت اور خرید فروخت بھی میری یاد سے غافل نہیں کرتی۔''

اللہ تعالیٰ کی خوشی اور ناراضگی کی پہچان:

ہمارے مشائخ نے ایک عجیب بات لکھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ بندہ اپنی کیفیت کو پہچان سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے خوش ہیں یا اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض ہیں۔اس کی انہوں نے بڑی سادہ سی پہچان بتائی۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس بندے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں اس کی پہچان یہ ہے کہ وہ گناہوں سے بچتا ہے اور ذکر کی کثرت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ذکر کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں اور گناہوں سے اس کو محفوظ فرما دیتے ہیں۔اور جس بندے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں، فرمایا کہ ذکر سے اس کو غافل کر دیتے ہیں اور گناہوں میں ملوث ہو جاتا ہے۔ جب بندہ غافل بھی ہو اور گناہوں میں بھی ملوث ہو سمجھ لے کہ میرے دن برے ہیں۔ مجھے کثرت کے ساتھ استغفار کرنا چاہیے، اپنے رب کو منانا چاہیے۔

عملی ذکر کی چار صورتیں

ایک تو قلبی اور لسانی ذکر ہوتا ہے اور ایک ہے انسان عمل سے ذکر کرے۔ یعنی عمل سے اپنے رب کو یاد کرے۔ یہ ذکر کیسے بھئی! کہ عمل سے اپنے رب کو کیسے یاد کرے؟ انسان کی چار صورتیں ہوتی ہیں یا تو وہ نیک ہوگا، یا وہ گناہوں میں پڑا ہوگا، یا خوش ہوگا، یا غم زدہ ہوگا۔ یہ چار ہی صورتیں ہیں۔

① نیک آدمی کا ذکر

جو نیک آدمی ہے اس کا ذکر یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے اس نیک عمل کی قبولیت کی دعا مانگتا رہے۔ جو نیکی پر ہے وہ اس نیکی کی قبولیت کی اپنے رب سے دعا مانگتا رہے۔ اس حال میں یہ اس کے لیے بہترین ذکر ہے۔

② گناہ گار کا ذکر:

اور جو انسان گناہ میں مبتلا ہے اس کو چاہیے کہ وہ اپنے پروردگار سے اس گناہ کی معافی مانگے اور اس سے توبہ تائب ہو جائے، اس کا ذکر یہ ہے۔

③ خوش آدمی کا ذکر:

اور جو انسان خوش ہیں اس کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکرادا کرے۔ نعمت ملنے پر شکرادا کرنا اس وقت کا سب سے افضل ذکر ہوا کرتا ہے۔

④ غم زدہ کا ذکر:

اور جو انسان غم زدہ ہے تو اسے چاہیے کہ وہ صبر کے ساتھ وقت گزارے غم اور پریشانی میں صبر کے ساتھ وقت گزارنا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کا سبب بنتا ہے۔

بندے کا ذکر اللہ کے دو ذکروں کے درمیان:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ انسان جو ذکر کرتا ہے وہ اللہ کے دو ذکروں کے درمیان کرتا ہے۔ کسی نے پوچھا کہ حضرت! وہ کیسے؟ تو فرمانے لگے کہ ایک تو اللہ تعالیٰ اس کو پہلے ذکر کی توفیق دیتے ہیں تو جب توفیق دیتے ہیں تو اس وقت وہ بندے کو یاد ہی کرتے ہیں پھر توفیق دیتے ہیں۔ جیسے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے الہام فرمایا کہ میرے بندے اگر کہیں تجھے کبھی سڑی ہوئی روٹی ملے یا سالن سبزی مل جائے کھانے کے لیے تو اس کو نہ دیکھنا کہ مجھے کھانے کے لیے کیا ملا؟ بلکہ اس کو دیکھنا کہ جب میں نے رزق کو تقسیم کیا تو مجھے اس وقت یاد تھا۔ یہ نہ دیکھنا کہ تجھے خشک روٹی دی ہے یہ کم اعزاز ہے کہ جب رزق کی تقسیم میرے مالک نے کی تھی اس نے اپنے بندے کو یاد رکھا۔ تو ایک تو ذکر کی توفیق دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ یاد کرتے ہیں اور پھر بندہ جب ذکر کرتا ہے تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ﴾ (البقرۃ:۱۵۲)

''تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا''

تو اللہ تعالیٰ پھر اسے یاد کرتے ہیں تو بندے کا ذکر اللہ تعالیٰ کے دو ذکروں کے درمیان ہوتا ہے۔

پانچواں سبب

پانچویں چیز فرماتے ہیں

اَلْاِحْسَانُ اِلَی الْمَخْلُوْقِ

مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں شرح صدر نصیب ہو تو ہمیں ایسا بننا پڑے گا۔ ہمارے قول سے، فعل سے کسی بھی عمل سے اللہ کے کسی بندے کا دل نہ دکھے، کسی کی بھی دل آزاری نہ ہو۔

آج کے زمانے میں اس میں بہت کوتاہی ہوتی ہے لمبی نمازیں پڑھ لیتے ہیں، لمبی تسبیح پھیر لیتے ہیں تہجد نہیں چھوڑتے، اشراق نہیں چھوڑتے، تلاوت نہیں چھوڑتے۔ ذرا کسی کی کوتاہی ہمارے سننے میں آجائے پورے شہر میں ڈھنڈورا پیٹتے چلے جاتے ہیں، اس کو گناہ بھی نہیں سمجھتے۔ جہاں بیٹھے تبصرہ اس تبصرے سے زیادہ خطرناک چیز کوئی نہیں ہوتی۔ اللہ بچائے یہ تبصرہ تو بسا اوقات ایمان کے ضائع ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔ سراسر غیبت ہو رہی ہوتی ہے، اس کے بارے میں بات کر دی، اُس کے بارے میں بات کر دی، بھئی دنیا میں کوئی ایسا ہے جس کے اندر کوئی خامی نہ ہو۔ اس محفل میں کوئی ایسا ہے جو ہاتھ اٹھا کر کہے کہ میں نے کبھی گناہ نہیں کیا۔ جب سب ہی گناہ گار ہیں تو پھر ہمیں کیا ضرورت ہے ہم کسی دوسرے کی برائی کا تذکرہ کریں؟ کیا یہ بہتر نہیں کہ جب ہمیں پتہ چلے تو ہم اللہ سے دعا مانگیں کہ اے اللہ! ہمارے اس بھائی کی غلطی کو معاف فرما دے۔ اے اللہ! اس کی ستاری فرما دے۔ ہم اس کے لیے دعا مانگیں گے، اللہ تعالیٰ اس کو ہمارے لیے قبول فرمائیں گے۔ آج تو یہ حالت ہے کہ خاوند بیوی کے عیب ڈھونڈتا پھر رہا ہوتا ہے اور بیوی نے خاوند پر دور بین فٹ کی ہوئی ہوتی ہے، یہ چیز انتہائی خطرناک ہے۔

سب سے بری بیماری دل آزاری:

اس لیے ہم ایسے بن جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لیے وبال جان بنے

ہوتے ہیں، غیر انسان کو اتنا پریشان نہیں کرتے تھے کہ جتنا انسان کو اپنے پریشان کرتے ہیں۔ ایک بندہ مصیبت میں ہوتا ہے اور دوسرے اس مصیبت کو کئی گنا زیادہ بنا دیتے ہیں، دل دکھاتے ہیں۔ کسی کا دل دکھا کے کوئی اپنے رب کو کیسے راضی کرے گا؟ اسی لیے بیماریوں میں سے سب سے بری دل کی بیماری ہے اور دل کی بیماریوں میں سے سب سے بری دل آزاری ہوتی ہے۔ دل آزاری نہیں کرنی چاہیے کسی کی، کسی کا دل نہیں دکھانا چاہیے۔ بلکہ کہنے والے نے تو یہاں تک کہا:

مسجد ڈھا دے مندر ڈھا دے ڈھا دے جو کچھ ڈھیندا اے

پر کسے دا دل نہ ڈھاویں رب دلاں وچ رہندا اے

کہ مسجد گرا بیٹھے مندر گرا بیٹھے جو گرا بیٹھے اس کی پروا نہیں، کسی کا دل نہ گرا دینا کہ رب بندے کے دلوں میں بستے ہیں۔

اللہ والوں کا امتیازی وصف:

تو اس سے ہمیں اندازہ کرنا چاہیے کہ ہمیں دوسروں کی دلآزاری سے دوسروں کو تکلیف دینے سے کتنا بچنا چاہیے۔ جو اللہ والے ہوتے ہیں وہ انسانوں کا تو کیا وہ تو حیوانوں کا بھی دل نہیں دکھاتے۔ انسان تو پھر عظیم ہے، اشرف المخلوقات ہے، حیوانوں کا بھی دل نہیں دکھاتے۔ چنانچہ توجہ سے ایک دو باتیں سنیے۔

◉...... حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ ہمارے سلسلے کے بہت بڑے شیخ گزرے ہیں۔ سمرقند کے رہنے والے تھے اور سمرقند میں سردیاں بہت زیادہ شدید ہوتی ہیں کہ سائبیریا کی ٹھنڈی ہوائیں سیدھی وہاں پہنچتی ہیں۔ ایک مرتبہ ہمارے چند دوستوں کو وہاں دو منٹ گاڑی سے نکل کے کھڑا ہونا پڑا تو وہ دو منٹ کی سردی برداشت نہیں کر سکے۔ حالانکہ سب نے چمڑے کی جیکٹیں پہنی ہوئی تھیں اور موزے اور دستانے پہنے

ہوئے تھے مگر ایسی یخ ٹھنڈی ہوا تھی کہ وہ بندے کے سینے سے پار ہو رہی تھی۔ اس دن پتہ چلا کہ یہاں کی سردی کیسی ہے؟ اس سردی کے موسم میں تہجد کے لیے اٹھے اور انہوں نے مصلے پر جلدی جلدی نفل پڑھے اور پھر سوچا کہ میں لحاف میں جا کر باقی ذکر کر لیتا ہوں۔ جب آئے تو دیکھا کہ لحاف میں تو ایک بلی آ کر سو گئی تھی، انہوں نے سوچا کہ اب میں اگر لحاف میں سوؤں گا تو بلی کی نیند خراب ہو گی، لہٰذا واپس مصلے پر بیٹھ گئے۔ خود سردی سے کانپتے رہے بلی کی نیند خراب نہ کی۔ اللہ رب العزت نے الہام فرمایا کہ تیرے اس مجاہدے کی وجہ سے ہم تجھے ایک ایسا شاگرد عطا کریں گے کہ جس کا فیض پوری دنیا کے اندر پھیلے گا۔ چنانچہ یہ اپنے شیخ کے حکم پر یہ وہاں سے ہندوستان آئے اور اللہ تعالیٰ نے امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جیسا مرید عطا فرما دیا۔ یہ سعادت ملی ایک بلی کی نیند کا خیال رکھنے کی وجہ سے اور ہماری نظر میں تو انسانوں کی نیند کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا۔

⊙...... چنانچہ ایک محدث کے بارے میں کتابوں میں لکھا ہے کہ وفات کے بعد کسی کو خواب میں ملے، پوچھا کہ جی آگے کیا بنا؟ فرمانے لگے کہ مغفرت ہو گئی انہوں نے کہا ہونی ہی تھی، آپ حدیث کا درس دیتے تھے اور بڑے آپ کے شاگرد تھے۔ کہنے لگے ان دروس کی وجہ سے میری مغفرت نہیں ہوئی۔ تو کیسے ہوئی؟ کہنے لگے کہ میں ایک مرتبہ حدیث پاک لکھ رہا تھا، جب میں نے قلم کے ساتھ سیاہی لگائی تو ایک مکھی آ کر بیٹھ گئی، میرے دل میں خیال آیا کہ یہ پیاسی ہو گی اسے پی لینے دو، تو میں نے ایک لحہ کے لیے قلم کو روکا کہ یہ سیاہی پی لے، وہ مکھی پی کر اڑ گئی۔ میرا یہ عمل میرے مالک کو پسند آ گیا اس پر اللہ نے میرے گناہوں کی مغفرت فرما دی۔ اب بتایئے کہ مکھی کی پیاس ہماری نظر میں کیا چیز ہے اس پر محدث کی مغفرت ہوتی ہے۔

⊙......اور حدیث پاک میں آتا ہے اور صحیح حدیث ہے کہ زانیہ عورت تھی اور اس نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلا دیا تھا، کتے نے پانی پی کر جب خوشی کی آواز نکالی تھی اس کی آواز پر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی زانی عورت کے گناہوں کو معاف فرما دیا۔

تو اگر مکھی اور بلی کبوتر اور کتے کی خیر خواہی کے واقعات ہیں تو ہم اگر کسی اللہ کے بندے کا دل خوش کریں گے تو ہمیں کیا ملے گا؟ یہ ایک بہت اہم چیز ہے اور آج کے زمانے میں اس میں بہت کوتاہی ہو رہی ہے، زبانیں ایسی بے لگام ہو چکی ہیں کہ کترتی چلی جاتی ہیں۔ وہ الفاظ نہیں بول رہی ہوتیں خود اپنے نامہ اعمال کو کاٹ رہی ہوتی ہیں، اپنے اجر کو ضائع کر رہی ہوتی ہیں، اپنی کھیتی کو کاٹ رہی ہوتی ہیں۔

اس لیے ہم اللہ کے بندوں کو خوش کریں، دائرۂ شریعت کے اندر رہتے ہوئے، یہ نہیں کہ کوئی خلافِ شرع کام کے لیے کہے کہ میں بڑا خوش ہوں گا۔ دائرہ شریعت کے اندر رہتے ہوئے ہم اللہ تعالیٰ کے بندوں کے دل خوش کریں۔ اللہ رب العزت اس کے بدلے ہمارے سینے کو نور سے بھر دیں گے۔

شرح صدر کا نور:

یہ پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ اگر انسان کے اندر آجائیں اللہ تعالیٰ اس کو شرح صدر عطا فرماتے ہیں جس بندے کو اللہ تعالیٰ یہ نعمتیں نصیب فرما دے اس کو شرح صدر نصیب فرماتے ہیں اور۔

اَلنُّوْرُ اِذَا دَخَلَ الصَّدْرَ انْفَتَحَ

''نور جب سینے میں داخل ہوتا ہے تو سینہ پھر کھل جاتا ہے''

﴿وَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَیْرًا یَّشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ﴾

اللہ تعالیٰ جس سے خیر کا ارادہ فرما لیتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لیے کھول

دیتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ ہمارے سینے کو بھی اسلام کے لیے کھول دے ہم ان چیزوں کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اعتکاف میں آ کر بیٹھنے کا مقصد ہی یہی ہے کہ ہم تجزیہ کریں۔ جو فارغ وقت ملے گا نا ان پانچ باتوں کو سوچ سوچ کے آپ یہ سوچیں کہ میں کہاں پر کمی کوتاہی کر رہا ہوں اور اس کوتاہی کو میں کیسے دور کر سکتا ہوں۔ جب ہم اس کے لیے کوشش کریں گے اور دعائیں بھی کریں گے تو اللہ تعالیٰ پھر ہمارے لیے راستہ آسان کر دیں گے۔

نفس پر بھاری دو الفاظ:

ویسے دو لفظ ہیں زبان سے کہنے بڑے مشکل ہیں۔ ایسے جیسے سر پر پتھر رکھ لیا اتنے مشکل ہیں۔ وہ دو لفظ ہیں ایک یہ کہنا کہ میں دنیا دار ہوں۔ اور یہ الفاظ کہنا مشکل ہیں، نفس راضی نہیں ہوتا، کہے گا نہیں میں تو بڑا دین دار ہوں۔ نفس اس بات پر آمادہ نہیں ہوتا کہ میں دنیا دار ہوں اس لیے کہ جب دل تسلیم (**Expect**) کر لے گا تو پھر بیماری کا علاج بھی ہو جائے گا۔ مصیبت تو یہ ہے کہ دل قبول ہی نہیں کرتا، سننے کے لیے تیار ہی نہیں کہ میں دنیا دار ہوں۔ ہم واقعی دنیا دار ہیں ہمیں اپنے نفس کو یہ بات سمجھانی چاہیے۔ دنیا دار کس کو کہتے ہیں جس کے دل میں دنیا کی محبت ہوتی ہے، وضع قطع جو بھی ہو بس ہمارے دلوں میں دنیا کی محبت ہے۔ ابھی اس محبت کو دل سے نکالنا ہے یہی تو محنت ہے۔

اور دوسرا اپنے دل میں یہ سوچنا کہ میں گناہ گار ہوں۔ سرسری طور پر سب کہہ دیتے ہیں، لیکن دوسرا اگر کہہ دے یار تو بڑا گناہ گار ہے پھر دیکھو آگے سے کیا جواب ملتا ہے۔ نفس ان دو الفاظ کو سننے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتا۔ اور مشائخ خانقاہی ماحول

میں بندے کو یہی تعلیم دیتے ہیں کہ تم اپنے نفس کو آمادہ کرو کہ وہ تسلیم کرے کہ میرے اندر گناہ گاری بھی ہے میرے اندر دنیا داری بھی ہے۔ جب ہم تسلیم کریں گے تو اب علاج شروع ہو جائے گا۔ جب اس کو تسلیم (Expect) کر لیا اللہ تعالیٰ اس بیماری کا دور ہونا آسان فرما دیں گے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اعتکاف کی برکت سے ہمارے دلوں سے دنیا کی محبت کو بھی نکال دے اور گناہوں کی نفرت ہمارے دلوں میں عطا فرما دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اقتباس

یہ جو نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہے یہ نعمت کی قیمت کا ادا کرنا ہے، یہ اس کو پے آف کر دینا ہے۔ آپ کے پاس کوئی چیز آئے اور آپ Pay off (قیمت کی ادائیگی) کر دیں تو وہ چیز آپ کے پاس رہتی ہے اور اگر پے آف نہ کریں تو واپس لے لیتے ہیں کہ بھئی! آپ نے قیمت تو ادا نہیں کی۔ یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ اس دنیا میں رعائتی قیمت (Discounted Rate) پر یہ چیز مل رہی ہے کہ الحمد للہ کہنے سے (Pay off) ہو گئی اور آخرت میں اتنی قیمت ہو گی کہ دینی مشکل ہو جائے گی۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ﴾ (ابراھیم:۷)

بیان: محبوب العلما والصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم
تاریخ: 28 فروری 2011ء بروز پیر ۲۴ ربیع الاول، ۱۴۳۲ھ
مقام: حمنہ سنٹر لاہور

نعمتوں کا شکر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o
﴿لَاِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ (ابراھیم:۷)
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اللہ رب العزت کی بے شمار نعمتیں:

ہم میں سے ہر انسان پر اللہ رب العزت کی لاتعداد نعمتیں ہیں، بعض ایسی ہیں کہ جن کا ہمیں احساس ہے اور بعض نعمتیں ایسی ہیں جن کا ہمیں ادراک بھی نہیں ہے، اتنی نعمتیں ہیں۔

﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ (ابراہیم:۳۴)
''اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو گن بھی نہیں سکتے''

ان گنت نعمتیں ہیں۔ اگر کوئی شخص پوچھے کہ جی مجھ پر کیا نعمتیں ہیں؟ میں تو بہت غریب فقیر ہوں۔ تو ایک نعمت تو یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے ہمیں انسان بنایا۔ چاہتے تو گدھا بنا دیتے، جانور بنا دیتے، اللہ رب العزت نے اپنے فضل اور کرم سے ہمیں انسان بنایا یہ کتنی بڑی نعمت ہے! پھر اللہ رب العزت نے دین کی نعمت عطا فرمائی۔ کتنے لوگ عقل میں ہم سے اچھے، شکل میں ہم سے اچھے، لیکن ان کو دین کی

نعمت نصیب نہیں ہے۔

پھر اللہ رب العزت نے نبی ﷺ کی امت میں سے پیدا فرمایا۔ پہلے انبیا اس امت میں پیدا ہونے کے لیے دعا مانگتے تھے، ہمارا کوئی حق نہیں تھا، ہم نے کوئی درخواست نہیں لکھی تھی، بن مانگے اللہ رب العزت یہ نعمت عطا فرمائی۔

پھر غور کریں اللہ تعالیٰ ہمیں:

بینائی نہ دیتے تو ہم اندھے ہوتے۔

......گویائی نہ دیتے تو گونگے ہوتے۔

......سماعت نہ دیتے تو بہرے ہوتے۔

......صحت نہ دیتے تو بیمار ہوتے۔

......کپڑے نہ دیتے تو ننگے ہوتے۔

......کھانا نہ دیتے تو بھوکے ہوتے۔

...... پانی نہ ملتا تو پیاسے ہوتے۔

...... مال نہ دیتے تو ہم فقیر ہوتے۔

......اولاد نہ دیتے تو لاولد ہوتے۔

......عقل نہ دیتے تو پاگل ہوتے۔

......عزت نہ دیتے تو ہم ذلیل ہوتے۔

آج جو ہم عزتوں بھری زندگی گزارتے پھر رہے ہیں یہ سب اس مولیٰ کا کرم اور احسان ہی تو ہے۔ تو فرمایا:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ (ابراہیم:۷)

اگر تم نعمتوں کا شکر زیادہ ادا کرو گے تو ہم اپنی نعمتیں اور زیادہ تمہیں عطا کریں گے۔

شکر کسے کہتے ہیں:

شکر کہتے ہیں؟

اَلْاِعْتِرَافُ بِنِعَمِ اللّٰهِ وَ اِسْتِعْمَالِ الْجَوَارِحِ فِیْ طَاعَتِہٖ

''اللہ رب العزت کی نعمتوں کا اعتراف کرنا (تسلیم کرنا) اور پھر اعضا کو اللہ رب العزت کے حکموں کے مطابق استعمال کرنا''

انسانی فطرت ہے کہ انسان لے کر بہت خوش ہوتا ہے اور دینا مشکل کام ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے! تم نے جو مجھ سے اتنی نعمتیں لیں، اب ان نعمتوں کا حق بھی تو ادا کرو اور حق یہ ہے کہ تم اس مالک الملک کی ان نعمتوں کا احسان مانو، اعتراف کرو کہ میرا پروردگار کتنا عظیم اور کتنا بڑا ہے! جس نے مجھے ان نعمتوں سے نوازا ہے۔

شکر گزار تھوڑے ہیں:

مگر یہ کام مشکل ہے۔ اسی لیے شیطان کو بھی پتہ تھا کہ یہ بندے نعمتیں مانگیں گے تو بہت مگر ان کا حق نہیں ادا کریں گے۔ تو اس نے کہا:

﴿ وَلَاتَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شَاكِرِيْنَ ﴾ (الاعراف:۱۷)

اے اللہ! اس آدم کی وجہ سے مجھے دھتکارہ گیا، آپ دیکھیں گے کہ اس کی اولاد میں سے اکثر ناشکرے ہوں گے۔ آپ تو نعمتوں سے نوازیں گے اور یہ نعمتوں کا شکر ادا نہیں کریں گے۔ اور رب کریم نے قرآن مجید میں فرمادیا:

﴿وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ﴾ (سبا:۱۳)

''میرے بندوں میں تھوڑے ہیں میرا شکر ادا کرنے والے''

شکر گزاری، فرمانبرداری میں ہے:

صحیح شکر یہ ہے کہ ہم اپنے اعضا کو اللہ رب العزت کے حکموں کے مطابق استعمال کریں۔ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

جَوَارِحُكَ مِنْ نِعَمِ اللّٰهِ عَلَيْكَ فَلَا تَعْصِ بِشَيْءٍ مِّنْهَا

یہ اعضا اور جوارح تم پر اللہ کی نعمت ہیں، ان اعضا سے اللہ کی نافرمانی نہ کرو۔

دستور ہے کہ اگر ادھار کا مال ہو تو دینے والے کی ہدایات کے مطابق اسے استعمال کرنا چاہیے۔ آپ کسی شہر میں گئے اور آپ نے وہاں پر ایک گاڑی کرائے پر لے لی تو وہ لوگ شرط لگاتے ہیں کہ اسے ایسے استعمال کرنا اور ایسے نہ کرنا، یہ نہ کرنا وہ نہ کرنا۔ اگر اس کے مطابق استعمال کریں تو وہ گاڑی دیئے رکھتے ہیں ورنہ پھر وہ واپس لے لیتے ہیں۔

کرائے کا مکان کسی کو دیں اور وہ اس کا خیال نہ رکھے مس یوز کرنا شروع کر دے تو کرائیہ دار اس کو خالی کرا لیتا ہے۔ یہ ہمارا جسم بھی ہماری ملکیت نہیں ہے، یہ ادھار کا مال ہے اور جو ادھار کے مال پر فریفتہ ہوا پھرے اسی کو پاگل اور بے وقوف کہا جاتا ہے۔ ہمارا یہ حق ہے کہ ہم ان اعضا کو اللہ رب العزت کے حکموں کے مطابق استعمال کریں۔

انبیا علیہم السلام اللہ کے شکر گزار:

انبیائے کرام اس دنیا میں اللہ رب العزت کی نعمتوں کا سب سے زیادہ شکر ادا کرنے والے ہیں۔ کیونکہ وہ اللہ کی نعمتوں کی قدر کو جانتے تھے، پہچانتے تھے۔

☆...... ابراھیم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ شَاكِرًا لِاَنْعُمِهٖ ﴾

''وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے ہیں۔''

☆......حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا:

﴿ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ﴾ (الاسراء:۳)

''وہ میرے شکر گزار بندے تھے۔''

☆......حضرت سلمان علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ ﴾

☆......اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اپنے بارے میں فرمایا:

((اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا))

''کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔''

شکرِ الٰہی میں انسان کی کوتاہی:

تو اگر انسان نعمتوں کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو نعمتوں کا شکر بھی ادا کرے۔ انگریزی میں کسی نے کہا:

Allah gives and forgives

اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور معاف کر دیتا ہے۔

Man gets and forgets

بندہ لیتا ہے اور بھول جاتا ہے۔

تو لینے کے لیے تو ہر کوئی راضی ہے لیکن شکر ادا کرنا یہ مشکل کام بن جاتا ہے۔ اس کی چھوٹی سی مثال سمجھیں کہ اگر کوئی بندہ ایک شربت کا گلاس پیش کر دے تو اس کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں، جس پروردگار نے صحت دی، بھوک جیسی نعمت سے نوازا،

دستر خوان پر بیٹھ کر پیٹ بھر کے کھانا کھاتے ہیں، نہ شروع کی دعا یاد ہوتی ہے نہ بعد کی دعا یاد۔ اس کا مطلب ہے ہم نے اللہ کا تو شکر ادا نہ کیا، روٹی کھانی یاد تھی، پیٹ بھرنا یاد تھا، مگر جس پروردگار نے اس نعمت سے نوازا، اس پروردگار کا احسان ماننا یہ یاد نہ رہا۔

ناشکری کفر ہے:

قرآن مجید میں بتایا کہ شکر ادا نہ کرنا، یہ کفر ہے، اس لیے فرمایا:

﴿وَ اشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنَ﴾ (البقرة:۱۵۲)

''تم میرا شکر ادا کرو اور تم کفر مت کرو، انکار مت کرو''

ایک جگہ فرمایا کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا۔

﴿اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا﴾ (دھر:۳)

''یا تو شکر ادا کرنے والا ہے یا پھر کفر کرنے والا''

بسا اوقات انسان اللہ کی نعمتوں کو پاتا ہے لیکن وہ شکر ادا نہیں کرتا تو پھر اللہ رب العزت اس بندے سے نعمتیں واپس لے لیتے ہیں۔ اسی لیے نعمتوں کا شکر ادا کرنا انتہائی ضروری ہے۔

غفلت اور زوالِ نعمت:

نعمتوں کو لے کر پھر بندے کا غفلت میں پڑ جانا یہ خطرے کی بات ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (القلم:۴۴)

ہم ان کو آہستہ آہستہ درجہ بدرجہ اتاریں گے۔ اس طرح کہ ان کو پتہ بھی نہیں

چلے گا۔ مفسرین نے لکھا:

يَمُدُّهُمْ بِالنِّعَمِ وَ يُنْسِيهِمُ الشُّكْرُ عَلَيْهَا

کہ ان کو ہم نعمتوں سے نوازیں گے اور وہ شکر ادا کرنا بھول جائیں گے۔

وَ اِذَا رَكَنُوْا اِذَا النِّعْمَةَ وَ حَجَبُوْا عَنِ الْمُنْعِمِ اُخِذُوْا

جب نعمتوں میں پڑ جائیں گے، منعم کو بھول جائیں گے تو پکڑ میں آ جائیں گے۔

پھر اللہ رب العزت کی سزا میں گرفتار ہوں گے۔

ابن عطا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كُلَّمَا اَحْدَثُوْا خَطِيْئَةً جَدَّدْنَا لَهُمْ نِعْمَةً وَ اَنْسَيْنَاهُمُ الْاِسْتِغْفَارَ مِنْ تِلْكَ الْخَطِيْئَةِ

''جب بھی وہ گناہ کریں گے، ہم اور نعمت ان کو دے دیں گے اور ان کو اس خطا پر استغفار کرنا بھلا دیں گے''

چنانچہ وہ پکڑ میں آ جائیں گے۔

نعمت کا شکر زبان سے:

جو نعمتیں اللہ رب العزت نے عطا کی ہیں، ہمیں ان کا شکر زبان سے بھی ادا کرنا چاہیے۔ چنانچہ علما نے لکھا ہے کہ جس بندے نے نعمت کے ملنے پر الحمد لله (سب تعریفیں اللہ کے لیے) کہا، اس نے گویا شکر ادا کر دیا۔ اور یہ جو نعمتوں کا اظہار ہے، یہ تفاخر کے طور پر نہ ہو، اظہارِ تکبر کے لیے نہ ہو۔

'' اَلتَّحَدُّثُ بِنِعَمِ عَلٰى وَجْهِ الْاِقْرَارِ بِفَضْلِ اللّٰهِ مِنْ غَيْرِ اِسْتِحْقَاقٍ لَا عَلٰى وَجْهِ الْاِفْتِخَارِ''

''نعمتوں کے بیان کرنے میں لوگوں پر اپنی بڑائی جتلانا مقصد نہ ہو بلکہ اللہ رب العزت کی نعمتوں کا اقرار کرنا مقصد ہو۔''

اسی لیے فرمایا:

﴿وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾

تم اپنی رب کی نعمتوں کا تذکرہ کیا کرو۔

اس لیے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اِذَا اَنْعَمَ عَلٰى عَبْدِهٖ نِعْمَةً اَحَبَّ اَنْ يَّرَاهُ عَلَيْهِ

''اللہ تعالیٰ جب بندوں کو نعمتیں عطا فرماتا ہے تو ان کے آثار بندے پر دیکھنا بھی چاہتا ہے۔''

کہ بندہ ان نعمتوں کو ظاہر بھی کرے کہ ہاں اللہ رب العزت نے مجھے یہ نعمتیں دی ہیں۔ایک جگہ فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ (فاطر:۳)

''اے انسانو! تم اپنے رب کی نعمتوں کا تذکرہ کرو۔''

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہی دعوت دی:

﴿وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾

(المائدہ:۲۰)

''اور جب کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے، اے میری قوم! اللہ کی نعمتوں کا تذکرہ کرو!''

نعمت کا شکر مشکل ہے:

اللہ تعالیٰ اس چیز کو پسند فرماتے ہیں کہ اس کی نعمتوں کا تذکرہ کیا جائے۔لیکن

آپ دیکھیں گے کہ یہ کام مشکل ہے، مثلاً: ایک نوجوان نوکری کے لیے انٹرویو دینے گیا، انٹرویو میں وہ سیلیکٹ ہو گیا، اس کو نوکری مل گئی۔ آپ جب اس سے پوچھیں گے کہ کیا بنا؟ تو وہ کارگزاری سنائے گا کہ انٹرویو لینے والے نے یہ سوال پوچھا اور میں نے سوچ کر یہ جواب دیا، پھر اس نے یہ سوال کیا تو میں نے یہ جواب دیا۔ اب وہ ہر بات میں کر رہا ہے: میں، میں اور میں۔ میں نے یہ کیا، میں نے وہ کیا۔ کیا مطلب؟ کریڈٹ سارا اپنی طرف کہ مجھے اپنی عقل اور قابلیت کی وجہ سے نوکری مل گئی۔ اور اگر اسی بندے کو انٹرویو میں فیل کر دیا جاتا اور آپ پوچھتے کہ بھئی! انٹرویو میں کیا بنا؟ تو وہ جواب میں کہتا کہ جیسے اللہ کی مرضی۔ بھئی! Reject (نامنظور) ہو گئے تو اللہ کی مرضی اور جب سلیکٹ ہوئے تھے تو تب بھی تو اللہ کی مرضی تھی، اس وقت اللہ کی مرضی یاد نہیں آتی۔ تو اللہ کا شکر ادا کرنا واقعی ایک مشکل کام ہے۔

اس کا تجربہ اس طرح ہوا کہ ایک آدمی کا بزنس اتنا تھا کہ اگر اپنی فیملی کے علاوہ وہ چالیس اور فیملیوں کو سپورٹ کرنا چاہے تو وہ آرام سے کر سکتا تھا، اتنا کھلا پیسہ اللہ نے دیا تھا۔ ایک دفعہ اس سے پوچھا کہ سناؤ کام کا کیا حال ہے؟ کہنے لگا کہ جی بس گزارا ہے۔ یہ الفاظ سن کر بڑی حیرت ہوئی کہ یا اللہ! اس کو تو چاہیے تھا کہ جواب میں یوں کہتا کہ میں تو اللہ پر قربان جاؤں ساری زندگی سجدے میں سر ڈال کر پڑا رہوں میں اللہ کی نعمت کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ اتنا اللہ نے اس کو دیا لیکن وہ منہ بنا کر کہتا ہے کہ جی بس گزارا ہے، تو تذکرہ کرنا بھی مشکل لگتا ہے۔

ہونا تو یہ چاہیے کہ موقع بموقع تذکرہ ہو تو ہم اللہ رب العزت کی خوب تعریفیں کریں۔ کوئی بندہ بیٹے کو نوکری لگوا دے تو اس کا تذکرہ کرتے نہیں تھکتے، ماں بیٹے کی تعریفیں کرتی نہیں تھکتی، تو بندہ اللہ کی تعریفیں کرتے کیوں تھکے؟ تو ہمیں چاہیے کہ

جب بھی کوئی بات ہو خوب اس بات کا تذکرہ کریں کہ اللہ نے مجھے بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ انسان نعمتوں کو بھول جاتا ہے کئی مرتبہ تو اپنا حق سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ چنانچہ

فَحَسْبُ الْعَبْدِ عَلَى الْاِقْرَارِ بِالنِّعَمِ وَالْحَيَاءُ مِنَ الْمُنْعِمِ

بندے کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرے اور منعم حقیقی سے حیا کرے اس کے حکموں سے نافرمانی نہ کرے۔

نعمت کی قیمت کلمہ شکر میں ہے:

یہ جو نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہے یہ نعمت کی قیمت کا ادا کرنا ہے، یہ اس کو پے آف کر دینا ہے۔ آپ کے پاس کوئی چیز آئے اور آپ Pay off (قیمت کی ادائیگی) کر دیں تو وہ چیز آپ کے پاس رہتی ہے اور اگر پے آف نہ کریں تو واپس لے لیتے ہیں کہ بھئی! آپ نے قیمت تو ادا نہیں کی۔ یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ اس دنیا میں رعائتی قیمت (Discounted Rate) پر یہ چیز مل رہی ہے کہ الحمد للہ کہنے سے (Pay off) ہو گئی اور آخرت میں اتنی قیمت ہو گی کہ دینی مشکل ہو جائے گی۔

چنانچہ حدیثِ پاک میں ہے آتا ہے کہ ایک بندہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر پانچ سو سال عبادت کرتا رہا اور اس نے یہ دعا مانگی کہ اللہ! مجھے سجدے میں موت آئے، چنانچہ اسے سجدے میں موت آئی۔ جب اللہ رب العزت کے حضور پیشی ہو گی تو اللہ تعالیٰ نے فرمائیں گے کہ میرے بندے کو میرے فضل سے جنت میں داخل کر دو۔ وہ کہے گا کہ اللہ عمل کی وجہ سے بھیجیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میرے بندے کو میرے فضل سے جنت میں داخل کر دو، وہ کہے گا: یا اللہ! میں پانچ سو سال عبادت کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ اچھا اس بندے کی عبادت اور میری نعمتوں کا

تم آپس میں میزان کرو کہ کیا چیز زیادہ ہے۔ جب میزان کیا جائے گا تو پانچ سو سال کی عبادت اس کی بینائی کی قیمت نہ بن سکے گی۔ تو فرمائیں گے کہ اب اس کو جہنم میں لے جاؤ۔ جب جہنم کی طرف گھسیٹا جانے لگا تو روتا ہے پکارتا ہے: یا اللہ! اپنے فضل سے مجھے جنت عطا فرما، تو اللہ نے فرمایا کہ ہاں اب تو نے میری عظمت کو پہچانا۔

اور بعض کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ جب اس نے کہا کہ اللہ! میں نے تو اتنے سو سال آپ کی عبادت کی تو اللہ اس کو پیاس لگا دیں گے۔ اتنی پیاس لگے گی کہ برداشت کرنی مشکل ہو جائے گی۔ پانی طلب کرے گا، ایک فرشتہ پانی کا پیالہ لے کر آئے گا، کہے گا کہ قیمت ادا کرو تب ملے گا۔ کتنی قیمت؟ اتنے سال کی عبادت، حتیٰ کہ ایک وقت آئے گا کہ ایک پیالے کے بدلے پوری نیکیاں دینے کو تیار ہو جائے گا۔ جب تیار ہوگا تو اللہ فرمائیں گے: میرے بندے! تیری ساری زندگی کی نیکیاں پانی کے ایک پیالے کی قیمت بھی نہ بن سکیں، تو نے تو زندگی میں کتنے پیالے پانی پیا تھا؟ کتنے مشروبات تو نے پیئے تھے، تو کیسے کہہ سکتا ہے کہ میں نے نعمتوں کا حق ادا کر دیا۔ تو سچی بات یہ ہے کہ ہم حق ادا کر ہی نہیں سکتے، ہاں کوشش کرنی چاہیے جتنا بھی کر سکتے ہیں۔

ایک خوبصورت اصول:

نبی علیہ السلام نے ایک بہت خوبصورت اصول سمجھا دیا کہ اگر تم دین کے معاملے میں دیکھنا چاہو تو اپنے سے اوپر والے کو دیکھو اور دنیا کے معاملے میں دیکھنا ہو تو اپنے سے نیچے والے کو دیکھو۔ کیوں؟ دین کے معاملے میں اوپر والے کو دیکھو گے تو پھر محسوس ہو گا کہ ہم کچھ نہیں کر رہے اور کرنا چاہیے، اور دنیا کے معاملے میں نیچے والے کو دیکھو گے تو کہیں گے کہ نہیں اللہ نے تو ہمیں بہت کچھ دیا۔ اب عام طور پر اس کا الٹ ہوتا ہے کہ ہم دین کے معاملے میں اپنے سے نیچے والے کو دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم

بہت کچھ کر رہے ہیں، فلاں تو نماز بھی نہیں پڑھتا، فلاں تو یہ بھی نہیں کرتا۔ اور دنیا کے معاملے میں اپنے سے اوپر والوں کو دیکھتے ہیں، چنانچہ پیدل چلنے والا کہتا ہے کہ مجھے سائیکل نہ ملی، سائیکل والا کہتا ہے کہ مجھے تو موٹر سائیکل نہ ملی، موٹر سائیکل والا کہتا ہے کہ مجھے کار نہیں ملی، کار والا کہتا ہے کہ مجھے فور ویل والی گاڑی نہیں ملی، تو اس کی کوئی حد ہی نہیں۔ اپنے سے اوپر والوں کو دیکھتے رہتے ہیں، اس وجہ سے احسان ماننے کی بجائے الٹا ناشکری ہوتی ہے کہ ہمیں یہ بھی نہ ملا، یہ بھی نہ ملا۔

احساسِ نعمت:

چنانچہ بزرگوں نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک آدمی نماز پڑھنے مسجد میں گیا، اس کے پاؤں میں جوتے نہیں تھے تو پاؤں سخت جل رہے تھے۔ جب نماز پڑھ لی تو اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ اللہ! میں تو آپ کا حکم ماننے کے لیے دھوپ میں چل کر آیا ہوں اور آپ نے تو مجھے جوتے بھی نہ دیے۔ یہ خیال سوچ کر جب مسجد سے باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک نوجوان جو ٹانگوں سے معذور تھا، وہ اپنی سرینوں کے بل بیٹھا ہوا اپنے ہاتھوں سے گھسٹ کر آرہا ہے۔ دل پر چوٹ پڑی کہ اوہو! میں تو پاؤں کے جوتے کا شکوہ کرتا پھر رہا تھا اس کی تو ٹانگیں ہی نہیں ہیں، گھسٹتا ہوا اللہ کے گھر کی طرف عبادت کے لیے آرہا ہے۔ تو جب اپنے سے نیچے والوں کو دیکھیں گے تو پھر احساس ہوگا۔

کئی دفعہ دیکھتے ہیں کہ ہم سڑکوں پر گاڑی میں سفر کر رہے ہوتے ہیں، کہیں پر شیشہ کھٹکھٹایا جاتا ہے، دیکھتے ہیں تو ایک مانگنے والی عورت ہوتی ہے، کہتی ہے: اللہ کے لیے کچھ دے دیں۔ وہ بھی تو کسی کی ماں ہوگی، کسی کی بیٹی ہوگی، کسی کی بہن ہوگی، کسی کی بیوی ہوگی، مانگ کر کھا رہی ہے، ہمارے گھر کی عورتوں پر اللہ کا کتنا بڑا

احسان ہے کہ گھر کی نعمتوں سے نوازا اور پردے کے اندر بیٹھ کر من مرضی کا بیٹھی کھا رہی ہیں، ہم نے کبھی اس نعمت کا احساس کیا؟

کتنے لوگ ہیں جن کو سونے کے لیے صرف نیلی چھت ملتی ہے۔ ہمیں ایک دفعہ بنگلہ دیش جانے کا موقع ملا تو وہاں ہم نے دیکھا کہ بہت سارے لوگ ننگے پاؤں چل رہے ہیں۔ حالانکہ نیچے گھاس تھی اور اردگرد بہت (Vegetation) سبزہ تھا۔ میں نے میزبان سے پوچھا کہ یہ لوگ ننگے پاؤں کیوں چل رہے ہیں؟ اس نے کہا کہ ان علاقوں میں اتنی غربت ہے کہ کتنے ہی مرد عورتیں ایسے ہوتے ہیں کہ موت تک ان کو جوتا پہننے کی توفیق نہیں ملتی، زندگی میں ایک مرتبہ بھی جوتا نہیں پہنا ہوتا، ساری زندگی ننگے پاؤں زندگی گزار دیتے ہیں۔ ان کے مردوں اور عورتوں کے پاؤں ننگے پاؤں چل چل کے ایسے ہو جاتے ہیں جیسے جانوروں کے پاؤں نیچے سے سخت ہوتے ہیں۔ اتنا عجیب لگا کہ یا اللہ! پوری زندگی پاؤں میں جوتے پہننے کا موقع نہیں ملتا۔ اور ہمارے یہاں دیکھو تو سبحان اللہ جوتوں کے ڈیزائن ختم نہیں ہوتے، ایک سے ایک بڑھ کر۔ تو ہم پر تو اللہ رب العزت کی بہت نعمتیں ہیں، اصول یہ بنا کہ دین کے معاملے میں ہم اپنے سے اوپر والے کو دیکھیں تا کہ مزید عمل کرنے کا جذبہ پیدا ہو اور دنیا کے معاملے میں اپنے سے نیچے والوں کو دیکھیں۔

ایک مصیبت زدہ شکر گزاری:

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں صحرا میں گیا تو مجھے ایک جگہ ایک بوڑھے میاں نظر آئے جن کے جسم پر پھنسیاں تھیں، سارا جسم زخم ہی زخم بنا ہوا تھا اور وہ آنکھوں سے بھی نابینا تھے۔ میں نے دیکھا کہ وہ کچھ پڑھ رہے ہیں، جب ذرا قریب ہو کر سنا تو وہ کہہ رہے تھے: اللہ! میں آپ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہوں جو آپ نے مجھ پر عطا

فرمائی ہوئی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں بڑا حیران ہوا کہ ایک بندہ بیمار ہے، چار پائی سے ہل نہیں سکتا، پاؤں سے معذور ہے، آنکھوں سے بھی نابینا اور یہ کہہ رہا ہے کہ اللہ! میں تیری نعمتوں کا شکر ہی ادا نہیں کر سکتا۔ تو وہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ بھائی! آپ پر کون سی نعمتیں ہیں؟ اس نے کہا: سبحان اللہ! کیا ایمان نعمت نہیں ہے جس سے اللہ نے مجھے نوازا ہوا ہے، یہ کتنی بڑی نعمت ہے جس سے اللہ نے نوازا ہوا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ مجھے ان کی بات بڑی اچھی لگی۔ میں نے پوچھا کہ میں آپ کی کوئی خدمت کر سکتا ہوں؟ انہوں نے کہا کہ میرا ایک بیٹا ہے دو دن سے کہیں چلا گیا ہے اور میری خدمت کرنے والا کوئی نہیں، وہ مجھے نماز پڑھاتا تھا، وضو کرواتا تھا، نماز میں مدد کرتا تھا، ذرا اس کا پتہ کر کے آؤ! کہنے لگے کہ میں باہر نکلا تو قریب میں دیکھا کہ ایک جگہ ایک انسان کا ڈھانچہ پڑا ہوا ہے، اس کا گوشت شیر یا کسی جانور نے کھا لیا تھا، میں گھبرایا کہ میں اس بات کو کیسے بتاؤں کہ تمہارا بیٹے کو تو کوئی جانور کھا گیا۔ کہنے لگے کہ میں آیا اور میں نے آ کر کہا کہ میں آپ کے لیے ایک غم کی خبر لایا ہوں۔ اس نے پوچھا: کون سی خبر؟ میں نے کہا کہ تمہارے بیٹے کو کسی جانور نے کھا لیا ہے، اس کی ہڈیاں اور اس کا ڈھانچہ پڑا ہوا ہے، باقی گوشت وہاں نہیں ہے۔ میری اس بات کو سن کر انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور شکر ادا کر کے کہنے لگے کہ اللہ! میں اس بات پر راضی ہوں کہ تو نے مجھے وہ بیٹا دیا کہ رات کو تہجد پڑھتا تھا اور دن میں روزے سے رہتا تھا، باپ کی خدمت کرتا تھا اور میں اس بات پر شکر ادا کرتا ہوں کہ میرے بیٹے کو الحمد للہ نیکی پر موت آئی، اس کو گناہ پر موت نہیں آئی۔ آخری سہارا وہ بھی چلا گیا تو اس پر بھی شکر کیا کہ اللہ! میرے بیٹے نے زندگی ایسی گزاری کہ الحمد للہ اس کو نیکی پر موت آئی گناہ پر موت نہیں آئی۔

بندوں کا شکر:

اس شکر ادا کرنے کا ایک پہلو اور بھی ہے، وہ ہے اللہ کے بندوں کا شکر ادا کرنا۔ ایک تو ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا اور ایک ہوتا ہے اللہ کے بندوں کا شکر ادا کرنا۔ اللہ رب العزت نے زندگی کی ترتیب ہی ایسی بنائی ہے کہ ایک دوسرے کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ مثلاً: آپ مکان بنانے کا ارادہ کریں تو سارا مکان خود تو نہیں بنا سکتے، آپ کو مستری لانے پڑیں گے، ڈیزائن بنوانا پڑے گا، مزدور کام کریں گے، کوئی لکڑی کا کام کرے گا، کوئی پتھر کا کام کرے گا، کوئی بجلی کا کام کرے گا۔ تو ایک گھر بنانے میں آپ کو کتنے بندوں کی ضرورت ہوتی ہے، تو اس کا مطلب ہے کہ انسان ایک دوسرے کا محتاج ہے۔ کام کرنے والے کو کسی مالک کی ضرورت تھی کہ ہم مزدوری کریں اور وہ ہم کو اجرت دے اور مالک کو مزدور کی ضرورت تھی کہ کوئی ہنر والا ہو جو تعمیر کرے، خود تو کام نہیں جانتا۔ آپ فیکٹری لگاتے ہیں تو چلانے کے لیے بندوں کی ضرورت ہوتی ہے، ایسے لوگوں کی ضروت ہوتی ہے جن سے آپ رامیٹیریل (خام مال) خریدیں گے۔ ایسے بندوں کی ضرورت ہوتی ہے، جن کو اپنی پراڈکٹ بیچیں گے تو انسان ایک دوسرے کی ضرورت ہیں۔ تو شریعت نے خوبصورت اصول بتایا کہ جب تمہیں ایک دوسرے کی ضرورت پڑتی ہے تو تم ایک دوسرے کا شکریہ بھی ادا کرو۔ چنانچہ شریعت نے کہا:

((مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ))

''جو انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا''

تو انسانوں کا بھی شکر ادا کرنا ضروری ہے۔ لیکن آج ہمارے ماحول معاشرے میں شکر کا ادا کرنا بہت کم ہو گیا ہے۔

شکریہ کی عادت......بہترین عادت:

میں اکثر اپنے دوستوں کو واقعہ سناتا ہوں کہ ایک موقعہ پر ایک انگریز لڑکی کو دیکھا اس نے اپنی بچی کو کھانا کھلانے کے دوران پینتیس مرتبہ شکریہ (Thank you) کا لفظ کہلوایا۔ آج کون سی مسلمان ماں ہے جو کھانا کھلاتے ہوئے بچی کو ایک مرتبہ بھی شکریہ کا لفظ سکھائے۔ ہم اس بات کے زیادہ اہل ہیں کہ ہم مسلمان ہیں، اللہ کے ماننے والے ہیں، ہم شکریہ کی عادات ڈالیں۔ لیکن ہمارے اندر شکریہ ادا کرنے کی عادت نہیں ہوتی۔ چنانچہ دس بچوں کو بلا کے آپ کوئی چیز دے دیں، وہ چیز لے کے خوش ہوں گے، ان میں سے ایک بچے کی بھی زبان سے آپ شکریے کا لفظ نہیں سنیں گے، جزاك الله کا لفظ نہیں سنیں گے۔ کیوں؟ طبیعت میں ناشکری ہوتی ہے۔ بڑا بھائی چھوٹے کے لیے جتنی بھی قربانی کر لے چھوٹا اسے اپنا حق سمجھتا ہے، اس کا احسان نہیں مانتا۔ میاں بیوی کے آپس کے معاملات میں دیکھ لیجیے، بیوی جتنی بھی قربانی کر لے، شوہر کے لیے خدمت گزار، وفادار، نیکوکار، ہر طرح سے خوبیوں والی بیوی لیکن خاوند ایک لمحے میں اس کی ساری خدمت کو اڑا کے رکھ دیتا ہے۔ کہے گا ''جب سے تو آئی ہے میں نے تو کبھی چین کا سانس لیا ہی نہیں''۔ اور کہیں خاوند کا یہ معاملہ کہ وہ بیوی کو خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے لیکن بیوی کی طرف سے جواب ملتا ہے ''جو کرتے ہیں بچوں کے لیے کرتے ہیں، میرے لیے تو کچھ نہیں کرتے''۔ تو یوں لگتا ہے کہ کیونکہ ہمیں شکر ادا کرنے کی تعلیم نہیں دی جاتی، سکھایا نہیں جاتا، اس لیے ہم ناشکرے بن گئے ہیں۔ ہر چیز کو اپنا حق سمجھتے ہیں، شکوے ایک سے بڑھ کر ایک اور شکریہ ادا کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ شریعت نے کہا:

مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ الْقَلِيْلَ لَمْ يَشْكُرِ الْكَثِيْرَ

''جو تھوڑے کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ زیادہ کا بھی شکر ادا نہیں کر پاتا''

والدین کے شکر کی اہمیت:

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اشاد فرماتے ہیں:

﴿ اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ ﴾ (لقمان:۱۴)

''میرا بھی شکر ادا کرو اپنے والدین کا بھی شکر ادا کرو''

ہم میں سے کتنے ہیں جو والدین کا کما حقہ شکر ادا کرتے ہیں۔ایک نوجوان صحابی نے والدہ کو حج کروایا۔گرمی کا موسم تھا، پاؤں میں جوتے نہیں تھے، کندھوں پہ اٹھایا، طواف کروایا، سعی کروائی ،صفا مروہ، منیٰ، عرفات، تمام مناسک ادا کروائے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے اپنی والدہ کو بڑھاپے میں اپنے کندھوں پر اٹھا کر حج کے سارے اعمال کروائے، کیا میں نے والدہ کا حق ادا کر دیا؟ فرمایا: ہاں، جب تمہاری ولادت ہوئی تھی اور اس وقت تمہاری والدہ کو جو درد یں(Labour Pains) محسوس ہوئی تھیں، شاید کسی اٹھنے والی ایک درد کا حساب تم نے چکا دیا ہو۔

سب سے زیادہ شکر گزار بندہ:

تو عورتیں سوچیں کہ کیا ان کے منہ سے کبھی خاوند کے لیے شکریے کا لفظ نکلا؟ جزاك الله کا لفظ نکلا؟ خاوند گرم کھانا کھاتا ہے، جو اُس کا پکا ہوا، بہترین کھانا، گھر کو صاف ستھرا دیکھتا ہے تو کیا اس کے منہ سے کبھی جزاك الله کا لفظ نکلا؟ عادت ہی نہیں ہے۔

چنانچہ حدیثِ مبارکہ سنیے:

«اَشۡكَرُ النَّاسِ لِلّٰهِ اَشۡكَرُهُمۡ لِلنَّاسِ»

اللہ کا سب سے زیادہ شکرادا کرنے والا بندہ وہ ہوتا ہے جو اللہ کے بندوں کا شکرادا کرنے والا ہوتا ہے۔

اس لیے جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کی آیتیں نازل ہوئیں تو صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا:

قَالَ لِعَائِشَةَ اُشۡكُرِيۡ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کرو''

تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کے اندر یہ چیزیں بہت زیادہ تھیں۔

آج کے دور میں نعمتوں کی فراوانی:

آج کے دور میں جتنی نعمتوں کی انتہا ہے، ظاہری طور پر اس سے پہلے کبھی نہیں تھی۔ جتنے مشروبات آج ہیں پہلے کبھی نہ تھے؟ جتنے پھل مختلف قسم کے آج ہیں اس سے پہلے کبھی نہ تھے، جتنے کھانوں کی مختلف ترکیبیں آج ہیں پہلے کبھی نہ تھیں۔ چنانچہ ایک خانساماں کے بارے میں ایک ساتھی نے بتایا کہ وہ اڑھائی سو ڈشز صرف سبزیوں (Vegetables) کی بنا سکتا ہے۔ تو ظاہری طور پر آج نعمتیں جتنی زیادہ ہیں پہلے کبھی نہ تھیں، لیکن جتنے خدا کے شکوے آج ہیں اس سے پہلے کبھی نہ تھے۔ ہم سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کے بارے میں پوچھیں گے۔ سنیے! قرآن عظیم الشان، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ثُمَّ لَتُسۡئَلُنَّ يَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِيۡمِ﴾

کہ قیامت کے دن تم سے ان نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی بھوک کی کیفیت:

چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کتنے کتنے دن بھوکے رہتے تھے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ غزوۂ خندق میں جب خندق کھودنے کا وقت آیا تو ایک صحابی نے پیٹ دکھایا کہ جی میں نے بھوک کی وجہ سے پتھر باندھا ہوا ہے۔ تو نبی ﷺ نے اپنا پیٹ دکھایا کہ آپ ﷺ نے دو پتھر بھوک کی وجہ سے باندھے ہوئے تھے۔ اب اس مجمعے میں بڑا یا چھوٹا کوئی ایسا آدمی ہے جو کہے کہ مجھے زندگی میں اتنی بھوک آئی کہ میں نے پتھر باندھا۔ ہم تو بھوک کو جانتے ہی نہیں کیا ہوتی ہے؟ ہمیں تو بھوک کا تجربہ (Experience) ہی نہیں۔ اتنا ہی ہے کہ صبح نہ ملا تو دوپہر کو مل گیا، دوپہر ناغہ ہوا تو شام کو مل گیا، ایک دن ناغہ ہوا تو چلو دوسرے دن مل گیا، اس سے زیادہ تو نہیں۔ مگر نبی ﷺ تو کئی کئی دن بھوکے رہتے تھے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دو مہینے متواتر ایسے گزرے کہ ہم پانی اور کھجور کے اوپر گزارا کیا کرتے تھے۔ ''اسودین'' دو کالی چیزوں پانی اور کھجور پر گزارا تھا۔ کہتی ہیں کہ ہمارے چولھے کے اندر گھاس اگ آتی تھی۔ بھئی چولہے کے اندر گھاس کب اگے گی؟ جب مہینوں آگ نہیں جلے گی، اس مجمع میں کوئی بتا سکتا ہے کہ جی ہمارے چولہے میں گھاس اگ آئی۔ تو سچی بات تو یہی ہے کہ ہم نے تو بھوک کو کبھی ایکسپیرینس نہیں کیا۔ نبی ﷺ کی بھوک کے بارے میں ایک دو حدیثیں ذرا سن لیجیے تاکہ ہمیں احساس ہو کہ ہم کس قدر نعمتوں کو روزانہ استعمال کرتے ہیں۔

سیدۃ فاطمہ الزہرئ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ روٹیاں بنائیں، ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دی، ایک سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، ایک سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو اور ایک اپنے لیے چار روٹیاں بنائیں۔ جب وہ اپنی روٹی کھا رہی تھی تو دل میں خیال آیا کہ میں تو روٹی کھا رہی ہوں پتہ نہیں ابا حضور ﷺ کو کچھ کھانے کو ملا یا نہیں۔ تو انہوں نے آدھی روٹی کھائی اور آدھی

روٹی بچائی، کپڑے میں لپیٹی اور نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اھلاً وسھلاً مرحبا فرمایا۔ بیٹا: کیسے آئیں؟ ابا حضور! میں آپ کے لیے روٹی کا ٹکڑا لے کر آئی ہوں، مجھے خیال آیا کہ پتہ نہیں آپ نے کچھ کھایا بھی ہے یا نہیں۔ نبی ﷺ نے وہ روٹی کا ٹکڑا لیا اور اس میں سے ایک لقمہ لے کر اپنے منہ میں ڈالا اور فرمایا: فاطمہ! قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، آج تین دن گزر گئے میرے منہ میں کوئی لقمہ روٹی کا نہیں گیا۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے تین دن سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبوت کی زندگی میں میرے آقا ﷺ پر تین مسلسل دن ایسے نہیں گزرے کہ تینوں دن پیٹ بھر کے کھانا کھایا ہو۔ ایک دن کھانا کھایا تو دوسرے دن فاقہ، دو دن کھایا تو تیسرے دن فاقہ، تین دن متواتر ایسے نہیں گزرے کہ تینوں دن پیٹ بھر کے کھانا کھایا ہو۔ ہم بھوک کو کیا جانیں کہ بھوک کیا چیز ہوتی ہے؟ صبح اٹھ کر بیوی پوچھتی ہے کہ آج کیا پکائیں؟ ہم تو چوائس کا کھانا کھانے والے لوگ ہیں، بوفے سسٹم پہ کھانے جا رہے ہیں، پانچ پانچ، سات سات ڈشز پڑی ہوتی ہیں، تو ہمیں ان کا شکر بھی تو ادا کرنا چاہیے۔

شکرانِ نعمت کیلیے دعا کی تعلیم:

ایک حدیث مبارکہ ذرا سنیے، ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں، فرماتے ہیں:

اِنَّ رَسُوْ لَ اللّٰہِ ﷺ خَرَجَ ذَاتَ یَوْمٍ فَاِذَا ھُوَ بِاَبِیْ بَکْرٍ وَ عُمَرَ مَعَہٗ

''کہ ایک دن نبی ﷺ اپنے گھر سے باہر تشریف لائے اور باہر ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے''

فَقَالَ مَا اَخْرَجَکُمَا مِنْ بُیُوْتِکُمَا ھٰذِہِ السَّاعَۃِ

نبی ﷺ نے فرمایا:

اس وقت میں تمہیں گھروں سے کس چیز نے باہر نکالا۔
بھئی! تم اپنے گھروں کی بجائے اس وقت یہاں کیوں کھڑے ہیں۔

قَالَا اَلْجُوْعُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

دونوں نے جواب دیا: اے اللہ کے حبیب ﷺ! بہت بھوک ہے۔
گھر میں بھی کھانے کو کچھ نہیں تھا اور بھوک کی شدت کی وجہ سے ہم یہاں پر حاضر ہوئے۔

قَالَ وَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَاَخْرَجَنِیَ الَّذِیْ اَخْرَجَ کُمَا فَقُوْمَا

نبی ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، مجھے بھی اسی بھوک نے گھر سے نکالا جس چیز نے تمہیں گھروں سے نکالا۔
کھڑے ہو جاؤ (چلتے ہیں)

فَقَامَا مَعَہٗ فَاَتٰی مَنْزِلَ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ

چنانچہ تینوں حضرات کھڑے ہو گئے اور ابو ایوب انصاری کے گھر آئے۔
ایک روایت میں آتا ہے:

وَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ مَنْزِلُ اَبِی الْھَیْثَمِ بْنِ النَّھْیَانِ

ابو الہیثم رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے ان کے گھر گئے۔

فَلَمَّا انْتَھَوْا اِلٰی دَارِہٖ قَالَتْ اِمْرَاَتُہٗ مَرْحَبًا بِنَبِیِّ اللّٰہِ وَ بِمَنْ مَّعَہٗ

جب یہ تینوں حضرات ان کے دروازے پر پہنچے تو ان کی اہلیہ نے اللہ کے نبی ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو مرحبا کہا۔
کہ اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے اصحاب کو خوش آمدید، تشریف لائیں ہمارے گھر میں۔

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اَیْنَ اَبُوْ اَیُّوْبَ ؟

نبی ﷺ نے فرمایا کہ ابوایوب انصاری کہاں ہیں؟

قَالَتْ اِمْرَاَتُہٗ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ یَأْتِیْكَ السَّاعَۃَ یَسْتَعْذِبُ الْمَاءَ

ان کی اہلیہ نے کہا کہ وہ ابھی آتے ہیں میٹھا پانی بھر کر

جیسے ہم بات کرتے ہیں کہ ایک منٹ میں آتے ہیں تو نہوں نے بھی یہی کہا۔ وہ میٹھا پانی بھر کر لانے کے لیے گئے ہیں۔ قریب ہی پینے کے پانی کا کوئی چشمہ یا کنواں ہوگا تو وہاں سے پانی بھر کر لانے کے لیے گئے ہیں اور ابھی آجاتے ہیں۔

فَجَاءَ اَبُوْ اَیُّوْبَ فَنَظَرَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ مَا اَحَدٌ الْیَوْمَ اَکْرَمُ اَضْیَافًا مِّنِّیْ

اتنے میں ابو ایوب آ گئے۔ اور انہوں نے نبی ﷺ کے چہرۂ انور کو دیکھا تو کہنے لگے: سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں آج کے دن مجھ سے زیادہ اکرام والا مہمان کسی کے گھر میں نہیں آیا۔

تو خوشی کا اظہار کیا۔

فَانْطَلَقَ فَقَطَعَ عِذْقًا

کھجور کا درخت تھا وہ درخت پر چڑھے اور پورا خوشہ ہی توڑ لائے۔

فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَا اَرَدْتَّ تَقْطَعُ لَنَا ھٰذَا اِلَّا اِجْتَنَیْتَ لَنَا مِنْ تَمْرِہٖ

نبی ﷺ نے فرمایا: بھائی تم پورا خوشہ ہی کاٹ کر لے آئے، ان میں سے چن چن کے پکی ہوئی کھجوریں لے کر آتے۔

قَالَ اَحْبَبْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنْ تَاْکُلُوْا مِنْ تَمْرِہٖ وَ بُسْرِہٖ وَ رُطَبِہٖ

''انہوں نے آگے سے جواب دیا اے اللہ کے حبیب ﷺ! میرا جی چاہا کہ

خوشہ توڑ کر لاؤں، پکی ہوئی بھی آپ کھائیں اور آدھی پکی بھی آپ کھائیں‘‘
کئی دفعہ آدھی پکی جو کھجوریں ہوتی ہیں (رطب) وہ بہت پسند آتی ہیں۔ اے اللہ کے حبیب ﷺ! میں اس لیے خوشہ توڑ کے لایا کہ آپ اپنی پسند کی کھجوریں اس میں سے کھائیں۔

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِيَّاكَ وَ الْحَلُوْبَ

نبی ﷺ نے فرمایا:

فَذَبَحَ لَهُمْ فَشَوّٰى نِصْفَهٗ وَطَبَخَ نِصْفَهٗ

پھر حضرت ابو ایوب انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بکری کو ذبح کیا۔ آدھی بکری کا گوشت انہوں نے بھون لیا، آگ کے اوپر بار بی کیو کر لیا اور دوسری آدھی کا ان کی اہلیہ نے سالن بنا لیا۔

فَلَمَّا وَضَعَ بَيْنَ يَدَیِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَخَذَ مِنَ الْجَدْیِ فَجَعَلَهٗ فِیْ رَغِيْفٍ

’’جب وہ بھنا ہوا گوشت نبی ﷺ کے سامنے لایا گیا تو نبی ﷺ نے اس کی ران میں سے گوشت کو کاٹا اور اس گوشت کو ایک کپڑے میں ڈالا۔‘‘

وَ قَالَ يَا اَبَا اَيُّوْبَ اَبْلِغْ بِهٰذَا فَاطِمَةَ لِاَنَّهَا لَمْ تُصِبْ مِثْلَ هٰذَا مُنْذُ اَيَّامٍ

اور فرمایا: اے ابو ایوب! یہ گوشت میری بیٹی فاطمہ کے پاس لے جاؤ کہ میری بیٹی کو ایسی چیز کھانے کو کئی دنوں سے نہیں ملی۔

والد بھوک میں ہیں تو بیٹی روٹی کا ٹکڑا بچا کر لا رہی ہے اور ادھر والد کو کھانے کو اگر گوشت ملا تو ان کو بیٹی یاد آ رہی ہے۔

فَذَهَبَ بِهٖ اَبُوْ اَيُّوْبَ اِلٰى فَاطِمَةَ

تو ابوایوب رضی اللہ عنہ وہ گوشت لے کر فاطمہ کے پاس گئے اوران کو پہنچا کر آئے۔

اب یہ جومہمان حضرات تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ،عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان تینوں نے کھانا کھایا۔

فَلَمَّا اَكَلُوْا وَ شَبِعُوْا قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم اِنَّ هٰذَا لَهُوَ النَّعِيْمُ الَّذِيْ تُسْئَلُوْنَ عَنْهَا

''جب انہوں نے کھانا کھالیا اور پیٹ بھر گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: یہ وہ نعمتیں ہیں جن کے بارے میں قیامت کے دن تم سے سوال کیا جائے گا۔''

﴿ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ﴾ (التکاثر:۸)

پھرتم سے اس دن نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

اب دیکھیں کہ اتنی بھوک تھی کہ گھر میں بیٹھنا مشکل تھااوراتنی بھوک کے بعد اگر کھانے کو کچھ ملا کھجوریں اور گوشت تو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اس نعمت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

فَكَبُرَ ذٰلِكَ عَلٰى اَصْحَابِهٖ

''تو یہ بات صحابہ کے اوپر بڑی بوجھ بنی۔''

کہ اتنی اشتہا کے بعد کچھ پیٹ میں گیا اس کا بھی حساب ہوگا۔لیکن نبی علیہ السلام نے اس کا حل بتایا۔

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اِذَا اَصَبْتُمْ مِثْلَ هٰذَا فَضَرَبْتُمْ بِاَيْدِيْكُمْ فَقُوْلُوْا بِسْمِ اللّٰهِ

فرمایا: کہ جب تمہیں کھانے کا موقع ملے تو تمہیں چاہیے کہ کھانے سے پہلے بسم

اللہ پڑھو۔

فَاِذَا شَبِعْتُمْ فَقُوْلُوْا

اور جب پیٹ بھر جائے اس وقت کہا کرو:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھُوَ اَشْبَعْنَا وَ اَنْعَمَ عَلَیْنَا وَ اَفْضَلَ

یہ کھانا کھانے کے بعد کی دعا ہے۔

فَاِنَّ ھٰذَا کَفَافٌ لِھٰذَا

بے شک یہ اس کے بدلے میں کافی ہو جائے گی۔

یہ دعا اس نعمت کا شکرانہ بن جائے گی اور قیامت کے دن گویا اس کا ہم نے شکر ادا کر دیا ہوگا۔اب بتائیں ہم میں سے کتنے بندے ہیں جن کو یہ دعا یاد ہے۔ پیٹ تو روز بھرتے ہیں، دن میں تین مرتبہ یہ دعا تو نہیں یاد الا ماشاء اللہ۔ چند لوگ ہوں گے تو اس کا مطلب یہ کہ ہم نعمتیں تو کھاتے ہیں نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر پاتے ہم میں سے ہر بندے کو یہ دعا یاد کرنی چاہیے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھُوَ اَشْبَعْنَا وَ اَنْعَمَ عَلَیْنَا وَ اَفْضَلَ

کتنے تھوڑے سے الفاظ ہیں ہر بندے کو یاد ہو سکتے ہیں۔تو کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھیں اور کھانے کے بعد یہ دعا پڑھیں، اللہ رب العزت اس کھانے کا حساب کتاب نہیں لیں گے۔

فَاَخَذَ عُمَرُ الْاِذْقَ فَضَرَبَ بِھَاالْاَرْضَ حَتّٰی تَنَاصَرَ الْبُسْرُ

عمر رضی اللہ عنہ نے وہ جو کھجور کا خوشہ پڑا ہوا تھا وہ اٹھایا اور اس خوشے کو زمین پر زور سے مارا حتیٰ کہ جو پکی ہوئی کھجوریں تھی، ان میں سے وہ نیچے گر پڑیں۔

ثُمَّ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَ اِنَّا لَمَسْئُوْلُوْنَ عَنْ ھٰذَا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ

پھر انہوں نے پوچھا کہ اے اللہ کے حبیب ﷺ! ہم سے قیامت کے دن ان کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

یہ کھجوریں کھانے کو مل رہی ہیں، اتنے دنوں کے بعد تو قیامت کے دن اس کے بارے میں بھی ہم سے حساب کیا جائے۔

قَالَ نَعَمْ اِلَّا مِنْ ثَلٰثٍ

نبی ﷺ نے فرمایا: ہاں، سوائے تین چیزوں کے ہر چیز کا حساب ہوگا۔

كِسْرَةٍ يَسُدُّ بِهَا الرَّجُلُ جُوْعَتَهٗ اَوْ ثَوْبٌ يَسْتُرُ بِهٖ عَوْرَتَهٗ اَوْجُحْرٍ يَدْخُلُ فِيْهِ مِنَ الْقَرِّ وَ الْحَرِّ

......روٹی کا خشک ٹکڑا جس سے بندے کی بھوک مٹتی ہے۔

......یا وہ کپڑا جس سے انسان صرف ستر چھپاتا ہے۔

......یا وہ چھوٹا سا کمرہ یا مکان جس میں سردی یا گرمی سے بچنے کے لیے رہا جاتا ہے۔

ان تین کے علاوہ جو اللہ نے دیا ہر چیز کا حساب لیا جائے گا۔ ہمارے گھروں میں آکر دیکھو! درجنوں کے حساب سے کپڑے اور جوتے اور ایسی چیزیں کہ لا کر ڈیکوریشن کے طور پر رکھ دیتے ہیں، استعمال ہی نہیں ہوتیں تو ان نعمتوں کا حساب ہو گا۔

ادائے شکر کی توفیق مانگنی چاہیے:

جس طرح ہمیں اللہ رب العزت کی نعمتیں لینے کا شوق ہے، ان نعمتوں کے شکر ادا کرنے کا بھی خیال رہنا چاہیے۔ یہ ترتیب ذہن میں رکھیں کہ جس نعمت کا شکر ادا کر دیا وہ نعمت انسان کے پاس رہتی ہے اور بڑھتی رہتی ہے اور جس نعمت کا انسان شکر ادا

نہیں کرتا وہ نعمت واپس لے لی جاتی ہے، جو پروردگار نعمتیں دینا جانتا ہے وہ پروردگار نعمتیں لینا بھی جانتا ہے۔اس لیے ہم دعا مانگیں، حدیث پاک میں دعا سکھائی گئی۔

((اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِكَ وَ شُکْرِكَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِكَ))

قربان جائیں اللہ کے پیارے حبیب ﷺ نے ایک ایک چیز سکھائی اگر یہ دعا ہم روزانہ پڑھیں تو گویا ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنی کی توفیق مانگ رہے ہیں۔انبیا نے دعائیں مانگیں۔

﴿ رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ﴾ (النمل:۱۹)

تو ہم بھی دعا مانگیں کہ اللہ آپ کی بیشمار نعمتیں ہیں مجھے ان کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما دیجیے۔

ناقدری نعمت چھن جانے کا سبب بنتی ہے:

اور ان نعمتوں کی قدر کریں! کیونکہ بے قدری نعمت چھن جانے کا سبب بنتی ہے۔

⊙ ......فرعون کو اللہ نے کتنی نعمتیں عطا کیں تھیں، وہ کہتا تھا:

﴿ اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ وَ هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ﴾

(الزخرف:۵۱)

''کیا یہ ملک مصر اور یہ نہریں جو بہتی ہیں یہ میری نہیں ہیں؟''

اتنی نعمتیں تھی، آب پاشی کا نظام تھا، ناقدری کی تو اللہ نے اس سے وہ نعمتیں واپس لے لیں۔

⊙ ......قارون کے پاس نعمتیں تھیں۔

﴿فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ﴾ (القصص:۷۹)

''بڑی زیب وزینت کے ساتھ بن سنور کر قوم میں نکلتا تھا''

جب شکر ادا نہ کیا، اللہ نے اس سے نعمتیں واپس لے لیں۔

◉......قومِ سبا ایک ایسی قوم گزری ہے کہ جس کے پاس زراعت اور باغات اپنی انتہا پر تھے۔ اتنے بڑے بڑے باغات تھے کہ مفسرین نے لکھا کہ اگر کوئی عورت سر پر ٹوکری رکھ کر باغ میں سے گزرتی تو گرتے ہوئے پھلوں سے ٹوکری بھر جاتی تھی، توڑنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِىْ مَسْكِنِهِمْ اٰيَةٌ﴾

ان کے لیے قوم سبا کے گھروں میں بڑی نشانیاں ہیں۔

﴿جَنَّتَانِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّ شِمَالٍ﴾

جن راستوں پہ چلتے تھے دائیں بھی باغ ہوتے تھے، بائیں بھی باغ ہوتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا:

﴿كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ﴾

''اللہ کا دیا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو''

﴿بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ﴾ (سبا:۱۵)

کتنا پاکیزہ شہر ہے اور اللہ ان کے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔

مگر انہوں نے نعمت کی ناقدری کی، نتیجہ کیا ہوا؟ پھر اللہ رب العزت نے ان کی زمین کے نیچے پانی کا جو منبع (Source) تھا، اسکو ہی ختم کر دیا۔ سارے کے سارے ان کے باغات بالکل ختم ہو کر رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَهَلْ نُجْزِىْ اِلَّا الْكَفُوْرَ﴾ (سبا:۱۷)

ناشکری کرنے والوں کو پھر بدلہ بھی ایسا دیتے ہیں۔ ہم دینا جانتے ہیں تو ہم پھر لینا بھی جانتے ہیں۔

ناشکری کا عبرت انگیز واقعہ:

ہمارے ایک دوست تھے پرسنل آفیسر تھے ایک جگہ پر۔ وہ اپنی بیٹی کا واقعہ خود سنانے لگے۔ کہنے لگے کہ حضرت! اللہ نے مجھے بیٹی دی جو حور پری سے شاید حسن میں بڑھی ہوئی ہو، اتنی خوبصورت تھی۔ دودھ کی طرح اس کا سفید رنگ تھا اور عقل مند اتنی کہ جب سکول میں گئی تو ہر کلاس میں ٹاپ کرتی تھی۔ وہ لڑکی سرجن ڈاکٹر بنی۔ جب چوبیس سال کی عمر ہوگئی تو اس کے رشتے آنے شروع ہو گئے۔ مگر اس میں کمپلیکس آ گیا تھا، احساسِ برتری پیدا ہو گیا تھا، وہ اپنے آپ کو کوئی انوکھی شے سمجھتی تھی۔ کہنے لگے کہ حضرت! ہمارے ہاں درجنوں رشتے آئے، جو رشتہ آتا وہ اس میں کوئی نہ کوئی نقص نکال دیتی۔ یہ ایسا ہے، یہ ایسا ہے۔ ہم سمجھاتے کہ بیٹی! یہ تو بہت اچھا رشتہ ہے، نیک بھی ہے، دیندار بھی ہے، عزت والا گھرانہ بھی ہے، فلاں بھی ہے، مگر وہ ایسے پاؤں کی نوک سے اڑا دیتی۔ درجنوں رشتے آئے اور وہ بڑے تکبر کے ساتھ نہ کرتی رہی۔ ہم اس کو بار بار سمجھاتے تھے وہ سمجھتی ہی نہیں تھی۔

پھر اس پر اللہ کی پکڑ آئی۔ ایک دن کسی مریض کا سرجن کے ساتھ مل کر آپریشن کر رہی تھی، اس کے ہاتھ کی جو اوپر کی جو جلد ہوتی ہے نا ہتھیلی کی پشت کی جلد اس پر کوئی انفیکشن ہوگئی۔ ایسی انفیکشن ہوئی کہ دونوں ہاتھوں کی اوپر کی جو چمڑی تھی وہ بالکل بوڑھوں کی طرح بن گئی۔ جیسے سو سال کے بوڑھے کے ہاتھ کے اوپر کی جلد ہوتی ہے بالکل اسی طرح اس کی جلد ہو گئی۔ اب وہ ہاتھ کسی کو دکھا نہیں سکتی، بڑے علاج کروائے، ڈاکٹروں نے کہا کہ اس کا تو علاج اب ممکن نہیں۔ اب کیا ہوا؟ رشتے آنے بند ہو گئے۔ اب وہ چاہتی ہے کہ رشتہ ہو لیکن رشتہ ملتا نہیں۔ جو آتا شکل دیکھ کر خوش ہوتے اور جب ہاتھوں کو دیکھتے تو وہ ریجیکٹ کر کے چلے جاتے۔ اب وہ ہر

وقت ہاتھوں پہ دستانے پہنتی ہے، کہیں آنا جانا ہوتو ہاتھوں کو چھپاتی ہے۔ کہنے لگے کہ پچیس سال کی عمر میں اس نے درجنوں رشتوں کو ٹھوکریں ماری تھیں، آج دس سال اس کو روتے ہوئے گزر گئے، دس سال میں ایک رشتہ بھی نہیں آیا۔ اب بیٹھ کر کہتی ہے کہ میں اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی اور مجھے میرے تکبر کی سزا اللہ نے دی ہے۔ اب موت مانگتی ہے کہ جینے سے مرجانا بہتر ہے، جس بچی کی عمر پینتیس سال ہو جائے اور رشتہ نہ آئے تو اس کی زندگی تو تاریک ہوگئی۔ تو پروردگار نعمتیں دیتا بھی ہے اور اگر بندہ ناشکری کرے تو نعمتیں واپس بھی لے لیتا ہے۔

ناقدری کا انجام:

ہمیں بھی اس کا تجربہ ہوا، چھوٹے تھے، پرائمری سکول میں پڑھتے تھے تو محلے میں ایک عورت تھی جو بکھرے بال ہوتے تھے، سر پہ دوپٹہ نہیں ہوتا تھا، پھٹے کپڑے اور گلیوں میں وہ تنکے چنتی پھرتی تھی اور بچے سکول سے آتے جاتے اس کو پاگل کہتے تھے، کوئی پتھر بھی ماردیتا تھا مگر مجھے والدہ ہمیشہ کہتی تھیں کہ بیٹا! جب ان کو دیکھو تو تم نے نہ تو کچھ کہنا ہے اور نہ کبھی تم نے ان کی طرف کوئی پتھر پھینکنا ہے۔ تو میں ہمیشہ ان کے ساتھ میں عزت کا معاملہ کرتا تھا۔ میں اگرچہ بچہ تھا، اس وقت تیسری چوتھی کا سٹوڈنٹ تھا، اور میں دیکھتا رہتا تھا کہ لڑکے تو یہ کر رہے ہیں اور وہ بیچاری دیوانی اپنے آپ میں باتیں کرتی چلی جاتی تھی۔ جب بڑے ہوئے تو ایک دن تذکرہ ہوا تو میں نے اپنی والدہ صاحبہ سے پوچھا کہ امی اس عورت کا معاملہ کیا تھا؟ تو اس وقت والدہ صاحبہ نے کہا کہ یہ عورت اس محلے میں رہتی تھی، ایک تندور تھا اس پر روٹیاں لگاتی تھی، اللہ نے اسے خوبصورت بیٹا عطا کیا، ایک دن اس عورت نے کوئی کام سمیٹنا تھا اور بچہ اس کے ساتھ چمٹا رہتا تھا، کچھ بچے ہوتے ہیں جن کو گودوں کا چسکا پڑ جاتا ہے تو ماں سے الگ

ہی نہیں ہوتے۔ اب ماں اس کو کہتی کہ بیٹھو! مجھے کام کرنے دو، تو وہ ماں کے ساتھ اور چپٹ جاتا، تو کافی دیر کے بعد اس کو غصہ آیا، اس نے کافی ڈانٹ ڈپٹ کی لیکن بچہ پھر اس کے ساتھ چمٹا رہا۔ آخر اس نے اسکو چارپائی پہ لٹایا اور فیڈر میں دودھ بنا کے دیا اور کہا کہ میں کام کر رہی ہوں، اب تم اگر اٹھ کر میرے پیچھے آئے تو میں تمہاری پٹائی کروں گی۔ بچے کی بات دیکھیے کہ اس نے دودھ ختم کیا اور پھر ماں کے پاس۔ اب جب اس نے بچے کو دیکھا تو غصے میں آ گئی اور جب غصہ آ جائے تو پھر بندے کو سمجھ نہیں لگتی کہ کیا کہہ رہا ہے۔ تو وہ غصے اور ٹینشن میں تو تھی ہی یہ الفاظ کہہ دیئے کہ میں تو تجھے سلا کے آئی تھی تو پھر پیچھے آ گیا تو تو سویا سو ہی جاتا تو اچھا تھا۔ اللہ رب العزت نے اس ماں کی بددعا کو قبول کر لیا مگر اس بچے کو اس وقت موت نہیں دی، اللہ تعالیٰ نے اس پھل کو پکنے دیا۔ وہ بچہ سکول گیا تو بہت اچھے نمبروں میں کامیاب ہونے والا، اس نے تعلیم پائی تو بہت امتیازی حیثیت حاصل کی، پھر کاروبار شروع کیا تو اللہ نے اس بچے کے کاروبار میں ایسی برکت دی کہ تھوڑے عرصے میں وہ بچہ لاکھوں پتی بن گیا۔ اُس زمانے میں لاکھ بڑی چیز ہوتی تھی، کوئی کوئی ہوتا تھا لاکھ پتی۔ اب وہ خوبصورت نوجوان لڑکا، بہترین بزنس مین، پورے محلے کے گھروں میں مائیں اپنے بچوں کو اس کی مثال دیتی تھیں کہ بیٹا! تم نے ایسا بننا ہے اور تمنا (Wish) کرتی تھیں کہ کاش کہ ہمارا بیٹا بھی اس طرح بنے۔

جب اس کی زندگی پورے جوبن پر تھی تو اس کی ماں نے اس بچے کے رشتہ کے لیے اپنی برادری میں سے بہترین پڑھی لڑکی کا انتخاب کیا۔ اللہ کی شان دیکھیے جب شادی میں صرف دو دن باقی رہے گئے تھے تو گھر کا فرش دھویا ہوا تھا، بچہ وہاں سے تیزی سے گزرنے لگا تو پاؤں جو سلپ ہوا یہ سر کے بل گرا اور بچے کی وہیں پر ڈیتھ ہو گئی۔ اللہ نے پھل اس وقت کاٹا جب پورے کا پورا پکا ہوا تھا۔ اب جب ماں نے

اپنے بیٹے کی لاش اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھی تو دماغی توازن کھو بیٹھی، باقی ساری زندگی وہ گلی میں تنکے چنتی تھی اور اشعار پڑھا کرتی تھی۔

آوے ماہی تینوں اللہ دی لیاوے تیریاں نت وطناں تے لوڑاں
کملی کر کے چھوڑ گیوں تے میں ککھ گلیاں دے رولاں

آج تنکے چنتی پھر رہی ہے، اس کو اپنا پتہ نہیں ہوتا تھا کہ بکھرے بال ہیں، پھٹے کپڑے ہیں، آج اس نعمت کی قدر آ رہی ہے۔

اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

کتنی بہنیں ہیں اپنے بھائیوں کو معمولی بات پر بددعائیں دیتی ہیں، کتنی مائیں ہیں اولاد کو بددعائیں دیتی ہیں، کتنی بیویاں ہیں خاوند کو بددعائیں دیتی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نعمتیں چھین لیتا ہے تو پھر بیٹھ کے روتی ہیں۔ تو نعمتوں کی ناشکری یہ اللہ رب العزت کی نظر میں بہت بڑا گناہ ہے۔ ہمیں اللہ رب العزت نے اگر بن مانگے نعمتیں دی ہیں تو ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ رب العزت کا شکر ادا کریں، ان نعمتوں کی قدردانی کریں، وقت بدلتے دیر نہیں لگا کرتی۔

یہ خزاں کی فصل کیا ہے؟ فقط ان کی چشم پوشی
وہ اگر نگاہ کر دیں تو ابھی بہار آجائے

اللہ کی رحمت کی نظر ہوتی ہے تو بہار آتی ہے، رحمت کی نظر ہٹ جاتی ہے تو خزاں آجاتی ہے، انسان گھر بیٹھے بٹھائے ذلیل ہو جاتا ہے۔ تو آج کی اس مجلس میں ہم نے یہ بات سیکھنی ہے کہ ہم اللہ کے بندوں کا بھی شکر ادا کریں گے، اللہ رب العزت کا بھی شکر ادا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان نعمتوں کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

﴿حَتّٰی إِذَا مَا جَاؤُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُوْنَ o﴾ (فصلت:۲۰)

روزِ محشر انسان کے آٹھ گواہ

بیان: محبوب العلماوالصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 21 مارچ 2011ء ، بروز پیر ۲۳ ربیع الثانی، ۱۴۳۲ھ

بمقام: جامعہ تعلیم القرآن گوجرہ

موقع: سالانہ تقریب تقسیم اسناد

اقتباس

چنانچہ جو انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرے گا، وہ تو صحیح معنوں انسان رہے گا اور جو ناشکری کرے گا اور نافرمانی کرے گا باطنی طور پر اس کی شکل مسخ ہو جائے گی۔ یہ بات ذہن میں رکھیے گا، بنی اسرائیل نے اللہ کے حکموں کو مسخ کیا تو اللہ نے ان کی شکلوں کو مسخ کر دیا، ظاہر میں ان کو بندر اور خنزیز بنا دیا لیکن اس امت پر نبی ﷺ کی دعائیں ہیں، اگر ہم اللہ رب العزت کے احکام کو مسخ کریں گے تو ظاہری شکل تو رہے گی باطن کی شکل مسخ ہو جائے گی۔ قیامت کے دن انسان اپنی باطن کی شکل پر کھڑا ہوگا، چنانچہ کتنے لوگ تھے جو اہلِ کشف تھے وہ انسان کے باطن کی شکل کو دیکھ لیتے تھے۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

روزِ محشر انسان کے آٹھ گواہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ○ حَتّٰى اِذَا مَا جَاؤُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُوْنَ ○ وَقَالُوا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخَاسِرِيْنَ ○ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ○ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنَّهُمْ كَانُوْا خَاسِرِيْنَ ○﴾ (فصلت:۱۹۔۲۵)
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اللہ تعالیٰ کے بے شمار نعمتیں:

اللہ رب العزت نے ہمیں بن مانگے بے انتہا نعمتوں سے نوازا ہے۔

عقل کی نعمت:

اگر اللہ رب العزت ہمیں عقل نہ دیتے تو ہم پاگل ہوتے۔ کتنے نوجوانوں کو دیکھا شکل دیکھنے میں کتنی خوبصورت ہوتی ہے لیکن فاتر العقل ہوتے ہیں، رال ٹپک رہی ہوتی ہے، اپنے کپڑوں کا ہوش نہیں ہوتا۔ دیکھنے میں انسان حقیقت میں وہ حیوان نہ بول سکتے ہیں، نہ سمجھ سکتے ہیں، زندہ لاش کی مانند ہوتے ہیں، جوان العمر ہوتے ہیں کپڑوں میں پیشاب نکل جاتا ہے، کس لیے عقل کی نعمت سے محروم ہیں۔

آنکھ کی نعمت:

ہماری آنکھ نہ ہوتی تو دن میں بھی اندھیرا ہوتا۔ ایک حافظ صاحب دعا کے لیے آئے، حضرت! آج میں آپ سے سپیشل دعا کروانے آیا ہوں۔ چونکہ ہمارے مدرسے سے ہی انہوں حفظ کیا تھا تو یہ عاجز سمجھا کہ نوجوان بچہ ہے شادی کی دعا کروائے گا، تو میں نے پوچھا کہ آپ دعا کروائیں گے کہ شادی ہوجائے؟ تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کہنے لگا کہ حضرت! میرے دل کی حسرت کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ میں آنکھوں سے نابینا ہوں، جس کو میں اپنی ماں کہتا ہوں اور جس کی محبت کی حرارت کو میں اپنے دل میں اتنا محسوس کرتا ہوں، میں آج تک اس کی شکل نہیں دیکھ سکا۔ میں اپنے باپ کی شکل نہیں دیکھ سکا، بہن بھائیوں کی شکل نہیں دیکھ سکا، میرے دل میں کتنی حسرت ہے؟ اس کی نشاندہی پر دل میں یہ احساس ہوا کہ اللہ! آپ نے بن مانگے ہمیں یہ کتنی بڑی نعمت عطا فرمائی ہے۔

زبان کی نعمت:

اگر ہمیں زبان نہ ملتی تو گونگے ہوتے۔ جذبات ہوتے، احساسات ہوتے، مگر اظہار نہ کر سکتے۔ چنانچہ ایک آدمی جو زبان سے بول نہیں سکتا، شادی شدہ ہے، بچوں والا ہے، جب بیوی کے پاس بیٹھتا ہے تو آنکھوں میں سے آنسو آ جاتے ہیں۔ وہ لکھ کر بیوی کو یہ پیغام دیتا ہے کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں، مگر میں الفاظ میں اپنی محبت کا اظہار نہیں کر سکتا۔ ہمیں اللہ رب العزت نے زبان کی نعمت سے نوازا، اپنے جذبات اور احساسات کو زبان سے ادا کر سکتے ہیں۔

ہاتھوں کی نعمت:

ہاتھ نہ ملتے تو ہم معذور ہوتے۔ ہم نے ایک مرتبہ بیت اللہ میں ایک شخص کو دیکھا جس کے دونوں بازو کندھے سے کٹے ہوئے تھے، کافی دیر میں سوچتا رہا، یا اللہ! دونوں ہاتھوں کی نعمت سے محروم یہ شخص ہاتھ نہ ہونے کی وجہ سے کھانا کیسے کھاتا ہوگا؟ یہ چہرہ کیسے دھوتا ہوگا؟ وضو کیسے کرتا ہوگا؟ اگر یہ سو رہا ہو اور اس کے اوپر سے رضائی سرک جائے تو یہ اپنے اوپر رضائی کیسے لیتا ہوگا اور اگر یہ شادی شدہ ہے تو اپنے گھر والوں کے ساتھ یہ کیسے وقت گزارتا ہوگا؟ اگر اس کے جسم پر کھجلی ہوتی ہوگی تو یہ کیا کرتا ہوگا؟ ابھی یہ باتیں سوچ ہی رہا تھا کہ پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص نے اس سے پوچھا کہ کیا آپ کے دونوں ہاتھ پیدائشی طور پر نہیں ہیں؟ اس نے کہا:

﴿ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ (التوبہ:۵۱)

”ہم کو کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی بجز اس کے جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہو۔ وہی ہمارا کارساز ہے اور مؤمنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے“

پھر کہنے لگا کہ

﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾

چونکہ عرب تھا، برموقعہ اور برمحل جو اس نے آیت پڑھی، اِس کو سن کر آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اللہ! آپ نے ہمیں ہاتھ دے کر کتنی بڑی نعمت عطا فرمائی! اللہ اکبر کبیرا۔

تو واقعی اللہ تعالیٰ

بینائی نہ دیتے تو ہم اندھے ہوتے۔

گویائی نہ دیتے ہم گونگے ہوتے۔

سماعت نہ دیتے ہم بہرے ہوتے۔

صحت نہ دیتے ہم بیمار ہوتے۔

لباس نہ دیتے ہم ننگے ہوتے۔

کھانا نہ دیتے ہم بھوکے ہوتے۔

پانی نہ دیتے تو ہم پیاسے ہوتے۔

مال نہ دیتے تو ہم فقیر ہوتے۔

ہاتھ پاؤں نہ دیتے تو ہم لولے لنگڑے ہوتے۔

عزت نہ دیتے تو ہم ذلیل ہوتے۔

دماغ نہ دیتے تو ہم پاگل ہوتے۔

آج ہم عزتوں بھری زندگی جو گزارتے پھرتے ہیں یہ سب اس مولیٰ کا احسان اور کرم ہی تو ہے۔ اب ہمارے اوپر حق ہے کہ ہم ان نعمتوں کا شکر ادا کریں۔

نافرمانی سے باطنی شکل مسخ ہو جاتی ہے:

چنانچہ جو انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرے گا، وہ تو صحیح معنوں

انسان رہے گا اور جو ناشکری کرے گا اور نافرمانی کرے گا باطنی طور پر اس کی شکل مسخ ہو جائے گی۔ یہ بات ذہن میں رکھیے گا، بنی اسرائیل نے اللہ کے حکموں کو مسخ کیا تو اللہ نے ان کی شکلوں کو مسخ کر دیا، ظاہر میں ان کو بندر اور خنزیر بنا دیا لیکن اس امت پر نبی ﷺ کی دعائیں ہیں، اگر ہم اللہ رب العزت کے احکام کو مسخ کریں گے تو ظاہری شکل تو رہے گی باطن کی شکل مسخ ہو جائے گی۔ قیامت کے دن انسان اپنی باطن کی شکل پر کھڑا ہوگا، چنانچہ کتنے لوگ تھے جو اہلِ کشف تھے وہ انسان کے باطن کی شکل کو دیکھ لیتے تھے۔

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا کشف:

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں بازار میں سے گزر رہا تھا کہ ایک مجذوب ملا، دیکھ کر کہتا ہے کہ احمد علی! انسان کہاں بستے ہیں؟ میں نے دیکھا کہ بازار لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ تو کہا کہ حضرت! یہ سب انسان ہی تو ہیں۔ جب میں نے یہ کہا تو وہ کہنے لگا کہ کیا یہ انسان ہیں؟ یہ الفاظ کہتے ہوئے میرے اوپر کیا توجہ پڑی، میں نے جو نظر دوڑائی تو مجھے بازار کتے بلی خنزیروں سے بھرا ہوا نظر آیا۔ انسانی شکل کوئی کوئی تھی۔ حضرت یہ واقعہ سنایا کرتے تھے اور یہ واقعہ سنا کر اپنے درس میں کہا کرتے تھے کہ ؎

مالک تو سب کا ایک ، مالک کا کوئی ایک
ہزاروں میں نہ ملے گا لاکھوں میں دیکھ

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا کشف:

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے

اور ان کے جانشین تھے۔ جب وہ جامع مسجد میں جمعہ پڑھنے آتے تھے تو مریدین دونوں طرف قطار بنا کے کھڑے ہوتے تھے، حضرت کی زیارت کرنے کے لیے۔ آخری عمر میں جب حضرت جمعہ کے لیے آتے تو اپنے سر پہ رومال اس طرح کرتے کہ چہرہ بھی چھپ جاتا، تو لوگوں کے لیے چہرہ دیکھنا بھی مشکل۔ ان کا ایک خاص خادم تھا، اس نے ایک مرتبہ کہا کہ حضرت! آپ کی علمی مصروفیات ہیں، یہ عشق والے پورا ہفتہ تو انتظار میں رہتے ہیں اور جمعہ کے دن صبح سے راستے میں کھڑے ہوتے ہیں کہ ایک جھلک دیکھنے کو مل جائے، آپ باہر نکلتے ہیں تو چہرہ ہی چھپا لیتے ہیں۔ جب اس نے یہ کہا تو حضرت نے اپنے سر کا رومال اتار کر اس کے سر پر رکھ دیا۔ اس بوڑھے خادم کی ایسی کیفیت ہوئی کہ اسے بازار کے اندر انسانوں کی بجائے جانور چلتے نظر آنے لگ گئے۔ حضرت نے فرمایا چونکہ میرا کشف اتنا بڑھ گیا کہ مجھے حقیقی شکل نظر آتی ہے تو اب میں کسی کا چہرہ دیکھنا ہی نہیں چاہتا۔

نافرمانوں کی مثالی صورت:

قیامت کے دن انسان کو اسی شکل سے اٹھایا جائے گا جو اس کی باطنی شکل ہوتی ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن کچھ لوگ ہوں گے جو دنیا میں دوسروں کی دل آزاریاں کرتے ہوں گے۔ جس کے پاس گئے اسی کا دل دکھایا، اسی کو رنج پہنچایا، اللہ تعالیٰ ان کو بچھوؤں کی شکل میں کھڑا کریں گے۔ بچھوؤں کا کام یہی ہے کہ ہر کسی کو ڈنگ مارنا۔

جو بندہ حریص ہوگا، جس میں حرص ہوگی اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کتے کی شکل میں کھڑا کریں گے۔ جو عالم ہوگا مگر بے عمل ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو گدھے کی شکل میں کھڑا فرمائیں گے اور جو بے حیائی فحاشی اور زنا کا کام کرتا ہوگا اور توبہ کیے بغیر

مرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو سؤر کی شکل میں کھڑا فرمائے گا۔ اور جو سمارٹ بنتا ہوگا، اس کو دھوکا دیا اس کو دیا، عیار بنے گا، اللہ تعالیٰ اس کو بندر کی شکل میں کھڑا فرمائیں گے۔ یہ وہ باطن کی شکل ہوگی جس پر انہوں نے زندگی گزاری ہوگی۔

فرمانبرداروں پر اللہ کی رحمت:

اور جو لوگ احکامِ شریعت کی فرمانبرداری کریں گے وہ صحیح معنوں میں انسانہوں گے، دنیا میں بھی اللہ کی رحمتوں کے سائے میں اور آخرت میں بھی رحمتوں کے سائے میں۔ چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس امت میں ایسے بھی لوگ گزرے ہیں کہ بیس بیس سال تک گناہ لکھنے والے فرشتے کو گناہ لکھنے کا موقعہ نہیں ملا۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عورت کا تذکرہ کیا:

”اَلْمَرْاَۃُ مُتَکَلِّمَۃٌ بِالْقُرْآنِ“

وہ عورت جو ہر وقت قرآن کے الفاظ سے گفتگو کرتی تھی۔

کوئی اور لفظ اس کی زبان سے نکلتا ہی نہیں تھا۔ اس عورت کے بیٹے نے بتایا کہ پچھلے بیس سال سے میری والدہ کی زبان سے قرآن کے سوا کوئی لفظ نہیں نکلا۔ ایسے لوگ بھی قیامت کے دن کھڑے ہوں گے۔ تو جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ دنیا میں جس حال میں زندگی گزاریں گے اسی حال میں قیامت کے دن ہمارا معاملہ ہوگا۔ اگر آج اللہ کا ڈر ہے اور انسان گناہوں سے بچتا ہے تو پھر اللہ کی طرف سے رحمت کا معاملہ ہوگا۔

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ پر اللہ کی رحمت:

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی تو ان کو میانی شریف کے

قبرستان میں دفن کیا گیا۔ مشہور بات ہے کہ ان کی قبر کی مٹی سے خوشبو آتی رہی۔ خواب میں ان کو کسی بزرگ نے دیکھا تو اس نے پوچھا کہ حضرت! آگے کیا ہوا؟ تو فرمانے لگے کہ اللہ رب العزت کے حضور میری پیشی ہوئی تو رب کریم نے فرمایا کہ احمد علی تو اتنا کیوں روتا تھا؟ وہ کَثِیْرُ الْبُکَاء تھے، ہر وقت آنکھوں سے آنسو بہتے رہتے تھے۔ اللہ رب العزت نے پوچھا: احمد علی! اتنا کیوں روتے تھے؟ کہنے لگے کہ میں تو اور گھبرا گیا کہ مجھ سے تو حساب ہونا شروع ہو گیا۔ تو جب میں اور گھبرا گیا تو فرمایا کہ احمد علی! تو اور ڈر گیا، آج ڈرنے کا دن نہیں تیرا انعام پانے کا دن ہے، میں تجھ سے اتنا راضی ہوں کہ تجھے بھی معاف کر دیا اور جس قبرستان میں تجھے دفن کیا گیا اس قبرستان کے سارے مردوں کے گناہوں کو بھی میں نے معاف فرما دیا۔ جو فرمانبرداری کی زندگی گزارے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے ہی خیر کا معاملہ ہوتا ہے۔

تقوای کا ثمر:

چنانچہ ایک نوجوان فقیر آدمی تھا، نہر کے کنارے چل رہا تھا تو اس نے دیکھا کہ پانی میں ایک سیب بہتا ہوا آ رہا ہے، بھوک بھی لگی ہوئی تھی، اس نے وہ سیب لیا اٹھا اور کھا لیا۔ جب کھا لیا تو پھر خیال آیا کہ یہ سیب میرا اپنا تو نہیں تھا کسی اور کا تھا میں نے تو بغیر اجازت کھا لیا تو بہتر ہے کہ میں سیب کے مالک سے معافی مانگوں، تو جدھر سے پانی آ رہا تھا ادھر اس نے چلنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر بعد آگے پہنچا تو اس نے دیکھا کہ ایک سیب کا باغ ہے اور درختوں کی ٹہنیاں پانی تک پھیلی ہوئی ہیں تو وہ سمجھ گیا کہ یہاں سے سیب گرا ہو گا اور اس کو میں نے کھا لیا۔ چنانچہ باغ کے مالک کے پاس پہنچا اور باغ کے مالک سے جا کر کہتا ہے کہ جی مجھے بھوک لگی ہوئی تھی اور میں نے سیب کھا

لیا اور اتنے پیسے بھی نہیں کہ ادا کرسکوں تو آپ مجھے معاف کردیں۔ تو وہ باغ کا مالک کہنے لگا کہ میں تو ہرگز نہیں معاف کرتا۔ بڑی منت سماجت کی لیکن وہ باغ کا مالک اور پکا ہوگیا، کہتا ہے کہ میں تو بالکل معاف نہیں کروں گا، میں تو قیامت کے دن اپنا سیب لوں گا۔ بڑا پریشان، تو بھائی! اب معافی کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ اس نے کہا کہ ایک صورت ہوسکتی ہے، میری ایک بیٹی ہے، اندھی بھی ہے، بہری بھی ہے، گونگی بھی ہے، لولی لنگڑی بھی ہے، اس کے ساتھ نکاح کرو اور پوری زندگی اس کے ساتھ گزارو۔ اب اس نے سوچا کہ دنیا میں ایسی زندہ لاش کی خدمت کرنا آسان مگر قیامت کے دن حساب دینا یہ مشکل کام، تو کہنے لگا کہ ٹھیک ہے۔ چنانچہ نکاح ہوگیا۔ اب جب بیوی کے پاس پہلی رات پہنچا تو دیکھا کہ وہ بڑی خوبصورت، بولنے والی، بات کرنے والی، علم والی۔ تو حیرت تو بڑی ہوئی، بس اتنا پوچھا کہ تم اسی باغ کے مالک کی بیٹی ہو کوئی اور تمہاری بہن تو نہیں، اس نے کہا کہ میں ایک ہی بیٹی ہوں۔ اگلا دن ہوا سسر سے ملاقات ہوئی، سسر نے پوچھا کہ جی مہمان کو کیسے پایا کہ جی آپ نے تو خصوصیات (Specification) بالکل اور بتائی تھیں آپ نے تو کہا تھا:

بِنْتِیْ بُکْمَاءُ اللِّسَانِ عُمْیَاءُ الْعَیْنَانِ صُمَّاءُ الْاُذْنَانِ قَصِیْھَةُ الْقَدَمَاءِ

''میری بیٹی زبان سے گونگی ہے، آنکھوں سے اندھی ہے، کانوں سے بہری ہے اور پاؤں سے لنگڑی ہے''

لیکن جس سے میری رات ملاقات ہوئی وہ تو صحیح سالم تندرست عورت ہے۔ اس وقت اس باپ نے کہا کہ میری یہ بیٹی قرآن مجید کی حافظہ اور حدیث کی عالمہ ہے۔ کبھی اس نے غیر محرم پر بری نظر نہیں ڈالی اس لیے میں نے کہا کہ یہ اندھی ہے،

کبھی غیر محرم سے بات تک نہیں کی میں نے کہا گونگی ہے، غیر محرم کی بات سنی نہیں میں نے کہا بہری ہے، بغیر اجازت کبھی اس نے گھر سے باہر قدم نہیں رکھا میں نے کہا کہ لولی لنگڑی ہے۔ حقیقت یہ کہ مجھے اپنی اس بیٹی کے لیے نیک متقی نوجوان کی تلاش تھی، جب تم نے ایک سیب کھا لینے کی وجہ سے مجھ سے معافی مانگنی شروع کی تو میں سمجھا کہ تمہارے دل میں اللہ کا خوف ہے تو میں نے فیصلہ کیا کہ میں اپنی بیٹی کا نکاح تم سے کروں گا۔ یہ ماں تھی اور یہ باپ تھا، اللہ نے ان دونوں کو ایک بیٹا عطا کیا، اس بیٹے کا نام نعمان رکھا گیا جو بڑا ہوا تو امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہوا، جب ماں ایسی ہوتی ہے اور باپ ایسا ہوتا ہے تو پھر بیٹا نعمان بنا کرتا ہے۔

اسی دنیا میں وہ لوگ بھی ہیں جو فسق و فجور پر زندگی گزارتے پھر رہے ہیں وہ اپنی عاقبت برباد کر رہے ہیں اور وہ لوگ بھی ہیں جو اسی دنیا میں رہتے ہوئے اپنی آخرت کما رہے ہیں، یہ صحیح معنوں میں انسان ہیں۔

روزِ قیامت آٹھ گواہ

ہر انسان کے قیامت کے دن آٹھ گواہ ہوں گے، بات بڑی اہم ہے توجہ کے ساتھ سننے کے قابل ہے۔ امید ہے طالبات دل کے کانوں سے سنیں گی کہ قیامت کے دن ہر انسان کے اوپر آٹھ گواہ ہوں گے۔

پہلی گواہی:

اَلْمَکَانُ

جس جگہ پر ہم گناہ کرتے ہیں، زمین کا وہ ٹکڑا قیامت کے دن گواہی دے گا۔

﴿يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝﴾ (زلزال: ۴، ۵)

''اس دن وہ اپنے حالات بیان کرے گی، کیونکہ تمہارے پروردگار نے اسے حکم بھیجا ہوگا''

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن زمین کو حکم دیں گے اور زمین خبریں نشر کرے گی۔ آپ دیکھتے نہیں آج یہ ویڈیو کیمرہ کتنا چھوٹا سا ہوتا ہے، تصویر لے لیتا ہے تو اللہ کے حکم سے زمین کا ہر ذرّہ وڈیو کیمرہ بن سکتا ہے۔ جس جگہ پر انسان گناہ کرتا ہے، زمین کا وہ ٹکڑا قیامت کے دن اس بندے کے گناہوں پر گواہی دے گا۔

دوسری گواہی:

وَالزَّمَانُ

وقت بھی گواہی دے گا۔

دن گواہی دے گا، رات بھی گواہی دے گی۔ حدیث پاک میں آتا ہے:

((یُنَادِیْ کُلَّ یَوْمٍ یَوْمٌ جَدِیْدٌ وَّاَنَا فِیْمَا تَعْمَلُ فِیَّ شَہِیْدٌ))

''ہر دن یہ پکارتا ہے کہ میں نیا دن ہوں اور میرے اندر جو عمل کرے گا میں قیامت کے دن ویسی ہی تیرے لیے گواہی دوں گا۔''

تیسری گواہی

وَاللِّسَانُ

انسان کی زبان بھی گواہی دے گی۔

﴿یَوْمَ تَشْہَدُ عَلَیْہِمْ اَلْسِنَتُہُمْ﴾ (النور:۲۴)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کی زبانیں خود گواہیاں دیں گی۔ خیر کا ایک بول بولنے سے انسان جہنم سے نکل سکتا ہے اور کفر کا ایک بول بولنے سے

انسان جہنم کے قابل بن سکتا ہے، زبان سے نکلا ہوا قول اتنا اہم ہوتا ہے۔ اس لیے علما نے لکھا ہے کہ جسم کے سارے اعضا زبان کو کہتے ہیں کہ تو سیدھی رہنا تو ہماری نجات ہے اور تو بگڑ گئی تو پھر ہماری سب کی عاقبت خراب ہے۔ اس لیے فرمایا کہ

جِرْمُهٗ صَغِيْرٌ وَ جُرْمُهٗ كَبِيْرٌ

''اس زبان کا سائز تو چھوٹا ہوتا ہے مگر اس سے ہونے والا گناہ وہ بڑا موٹا ہوتا ہے۔''

کفر اسی زبان سے نکلتا ہے، شرک اسی زبان سے، جھوٹ اسی زبان سے۔ تو قیامت کے دن یہ زبان گواہی دے گی۔

آج کے دور میں شیطان بدبخت نے جھوٹ کا نام بہانہ رکھ دیا تا کہ کوئی بندہ محسوس ہی نہ کرے کہ میں الٹا کام کر رہا ہوں۔ او جی ابو نے یہ پوچھا میں نے بہانہ کر دیا، سیدھا سیدھا جھوٹ کہو کہ میں نے جھوٹ بولا۔ بیوی کہتی ہے کہ میں نے خاوند کے سامنے یہ بہانہ کر دیا، شیطان جانتا ہے کہ اگر جھوٹ کا نام لے گا تو دل میں نفرت ہو گی، افسوس ہو گا کہ کیوں بولا؟ جب نام ہی بہانہ رکھ دیا، اب ندامت ہی نہیں ہوتی۔ غیبت کا نام گپ شپ رکھ دیا، او جی ہم تو تبادلہ خیالات کر رہے تھے، یہ نہیں کہتے کہ ہم غیبت کر رہے تھے۔ فسق و فجور کا نام روشن خیالی رکھ دیا تا کہ یہ احساس ہی ختم ہو جائے کہ ہم گناہ کر رہے ہیں۔

چوتھی گواہی:

وَ الْاَرْكَانُ

جسم کے باقی اعضا کی گواہی:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ تُكَلِّمُنَا اَيْدِيهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾
(یٰسین:۶۵)

''اوراس کے ہاتھ بولیں گےاور پاؤں گواہی دیں گے جواس نے کمایا''

انسان کے ہاتھ گواہی دیں گے کہ میں نے کیا کیا کام کیے، اس کی رانیں گواہی دیں گی کہ میں نے کیا کام کیے۔ان اعضا کے ذریعے سے گناہ کرتے ہیں اور قیامت کے دن یہی انسان کے اوپر گواہ بنیں گے۔اس کی مثال یوں سمجھیں کہ جیسے حکومتیں خفیہ پولیس کو بھیجتی ہیں کہ بندہ انہیں کو دوست سمجھ کر انہیں کے سامنے باتیں کرتا ہے اور وہی سرکار کے گواہ ہوتے ہیں۔ یہ ہمارے جسم کے اعضا اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی خفیہ پولیس ہے۔انہیں کے ذریعے سے گناہ کرتے ہیں اور قیامت کے دن یہی گواہی دیں گے۔قرآن مجید میں ہے کہ جب ان کے اعضا گواہی دیں گے تو گناہ گار کہیں گے:

﴿وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَا شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا﴾ (فصلت:۲۱)

''اپنے اعضا سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دیتے ہو''

﴿ قَالُوا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِي اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ ﴾ (فصلت:۲۱)

''اعضا کہیں گے کہ اس اللہ نے ہمیں بولنے کی توفیق بخشی جس نے ہر ایک کو بولنے کی صفت عطا فرمائی۔''

پھر اس دن انسان پچھتائے گا کہ کاش میں نے گناہ نہ کیے ہوتے۔

پانچویں گواہی:

وَ الْمَلَكَانُ

اور دو فرشتے بھی گواہ ہیں جن کو کراماً کاتبین کہتے ہیں۔

﴿وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِيْنَ○ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ○ يَعْلَمُوْنَ مَا

تَفْعَلُوْنَ ﴾ (انفطار: ۱۰، ۱۱، ۱۲)

"بے شک تم پر نگران (فرشتے) ہیں، وہ سب جانتے ہیں جو ہم کرتے ہیں اور وہ اس کو نامہ اعمال میں لکھتے چلے جاتے ہیں۔"

تو باقاعدہ ڈاکومنٹ کیا جا رہا ہے۔ کہتے ہیں نا کہ عدالت میں فلاں بندے کا بیان قلم بند کروایا گیا، اللہ تعالیٰ بھی بندے کے ہر عمل، ہر قول، ہر فعل کو قلم بند کروا رہے ہیں۔ قیامت کے دن یہ دونوں فرشتے اس انسان کے گناہوں پر گواہی دیں گے۔

چھٹی گواہی:

وَ الدِّیْوَانُ

انسان کا نامہ اعمال۔

انسان جب اپنے نامہ اعمال کو دیکھے گا تو کہے گا:

﴿مَالِهٰذَا الْكِتَابِ وَلَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً اِلَّا اَحْصَاهَا وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَّ لَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾ (الکہف: ۶۱)

"یہ کیسی کتاب ہے کہ نہ چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے نہ بڑی کو، مگر اس کو لکھ رکھا ہے، اور جو بھی عمل کیے ہوں گے ان کو حاضر پائیں گے، اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا"

تیرا رب تو کسی پر ظلم نہیں کرے گا، جو کیا ہوگا اپنی آنکھوں کے سامنے پائے گا۔ جو آج بوئیں گے کل وہی ہم کاٹیں گے اور نامہ اعمال میں یہ سب کچھ لکھا ہوگا۔

ساتویں گواہی:

یہاں تک کی گواہیاں تو چلو تھیں سو تھیں، ایک گواہی بڑی نازک ہے وہ کون سی؟

نَبِیُّ الْاِنْسِ وَ الْجَانّ

اللہ کے حبیب ﷺ بھی بندے کے اوپر گواہ بنیں گے۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ تمام امتیوں کے اعمال کو فرشتوں کے ذریعے سے جمعرات کے دن نبی ﷺ پر پیش کیا جاتا ہے۔ اب دیکھیے کہ اللہ کے حبیب ﷺ نیکیوں کو دیکھتے ہوں گے تو خوشی ہوتی ہوگی اور گناہوں کو دیکھتے ہوں گے تو دل آزاری ہوتی ہوگی۔ تو ہم اللہ کے حبیب ﷺ کو تکلیف پہنچانے کا سبب نہ بنیں۔

ایک شاعر تھا مرزا بیدل، اس کا مشہور قصہ ہے کہ اس نے نبی علیہ السلام کی شان میں بڑا اچھا شعر کہا۔ تو ایران کے ایک بزرگ تھے انہوں نے کہا کہ بھائی بیدل نے فارسی زبان میں بڑا اچھا شعر کہا تو میں جا کر بیدل کو ملتا ہوں، مبارک باد دیتا ہوں، جب وہ سفر کر کے انڈیا میں پہنچے تو مرزا بیدل اس وقت حجام کے پاس بیٹھے اپنی داڑھی منڈا رہے تھے۔ تو جب ان بزرگوں نے دیکھا تو انہوں نے ٹھنڈی سانس لی اور کہا: ایسا اچھا شعر آپ نے لکھا اور آپ یہ عمل کر رہے ہیں۔ تو اس نے آگے سے کہا کہ دیکھیں میں داڑھی کٹوا رہا ہوں کسی بندے کا دل تو نہیں کاٹ رہا۔ جب اس نے یہ کہا تو وہ ایرانی بزرگ جو تھے انہوں نے آگے سے کہا کہ مرزا بیدل سمجھ کر بات کرو تم ظاہری چہرے پر یہ بلیڈ نہیں چلا رہے تم میرے آقا حضرت محمد ﷺ کے دل پر چھری چلا رہے ہو۔ بس یہ بات کرنی تھی کہ مرزا بیدل کے دل پر اثر ہوا، سچی توبہ کر لی اور اس کے بعد اس نے پھر شعر لکھا۔

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی
مرا با جانجاں ہم راز کردی

اللہ تجھے جزا دے تو نے میری آنکھ کو کھول دیا اور تو نے مجھے میرے محبوب ﷺ

سے ملا دیا۔

تو اللہ کے حبیب ﷺ کو نیک اعمال سے خوشی ہوتی ہے، اور آپ ﷺ کو امت کے گناہوں سے غم ہوتا ہے۔

﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ (النساء:۴۱)

تو قیامت کے دن اللہ کے حبیب ﷺ بھی گواہ ہوں گے۔ اسی لیے علامہ اقبال نے ایک شعر لکھا جس پر حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ جو تبلیغی جماعت کے بانی ہیں وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس شعر کے لکھنے کی وجہ سے اس بندے کے گناہوں کی مغفرت فرما دیں گے۔ عجیب شعر لکھا، فارسی زبان کا شعر ہے، انہوں نے لکھا:

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روزِ محشر عذر ہائے من پذیر

"اللہ تو دو عالم سے غنی ہے میں فقیر ہوں، قیامت کے دن میرے عذروں کو قبول کر لینا"

گر تو می بینی حسابم ناگزیر
از نگاہِ مصطفیٰ پنہاں بگیر

اور اللہ اگر آپ فیصلہ کر لیں کہ آپ نے قیامت کے دن میرا حساب ضرور لینا ہے تو، اللہ! مصطفیٰ کریم کی نگاہوں سے اوجھل میرا حساب لے لینا مجھے ان کے سامنے شرمندگی نہ اٹھانی پڑ جائے۔ اللہ اکبر کبیرا۔

جن کی سفارش کی ہم دل میں تمنا رکھتے ہیں، جن کی شفاعت کی دل میں امید رکھتے ہیں، اگر وہی گناہوں پر گواہی دیں گے تو پھر ہمیں زمین کا کون سا حصہ سموئے

گا؟ ہم کہاں جائیں گے؟ یہ سوچنے کی بات ہے۔ کسی نے کیا عجیب بات کہی: ؎

اپنے دامانِ شفاعت میں چھپائے رکھنا
میرے سرکار میری بات بنائے رکھنا

کہ دنیا میں تو اللہ نے میرے گناہوں پہ پردے ڈالے ہوئے ہیں، تمام لوگ میری گناہوں کے باوجود عزت قدر کرتے ہیں، محبت کرتے ہیں، اے اللہ کے حبیب ﷺ! اب قیامت کے دن میرے عیبوں پر آپ اپنی رحمت کی چادر ڈال کر اپنی شفاعت عطا کر دینا۔ تاکہ قیامت کے دن بھی میری عزت بنی رہ جائے ؎

میں نے مانا کہ گناہ گار ہوں پر آپ کا ہوں
اس گناہ گار سے سرکار نبھائے رکھنا

اے اللہ کے حبیب ﷺ! میں نے مانا کہ میں گناہ گار ہوں مگر ہوں تو آپ کا نا...... میں نے اللہ کی وحدانیت کا کلمہ پڑھا، آپ کی رسالت کی گواہی دی، اے اللہ کے حبیب ﷺ! جیسا بھی ہوں، ہوں تو آپ کا۔ اور واقعی ہم نے دنیا میں دیکھا ہے کہ اگر کسی گھر کے اندر کوئی نوکر پرانا ہو جائے تو پھر گھر والے اس کی سستی کو بھی برداشت کر جاتے ہیں، گزارا کرتے ہیں کہ اب اس کو کیسے نکالیں؟ ہمارے سوا تو کوئی اس کا ہے نہیں۔ نہ اس کی ماں زندہ، نہ باپ زندہ، نہ گھر ہے نہ در ہے، اب جیسا بھی ہے، ہم نے تو اس کو اسی طرح برداشت کرنا ہے۔ اے اللہ کے حبیب ﷺ! لوگ جس طرح اپنے نوکروں اور خادموں کو برداشت کرتے ہیں، کر جاتے ہیں، آپ بھی اپنے اس امتی کو برداشت فرما لیجیے گا ؎

ذرۂ خاک کو خورشید بنانے والے
خاک ہوں میں مجھے قدموں سے لگائے رکھنا

اے اللہ کے حبیب ﷺ! آپ تو خاک کے ذرے پر نظر ڈالتے تھے تو سورج بنا

دیا کرتے تھے۔ میں قدموں کی خاک ہوں مجھے قدموں سے لگائے رکھیے، قیامت کے دن اپنی شفاعت عطا کر دیجیے۔ جن کی شفاعت کی آج ہم دل میں تمنا رکھتے ہیں سوچیے اگر کل قیامت کے دن ہمارے گناہوں پر انہوں نے گواہی دے دی تو پھر ہمارا کیا بنے گا؟۔

آٹھویں گواہی:

اور پھر آٹھویں گواہی۔ سنیے قرآن عظیم الشان اور وہ گواہ کون ہوگا؟

وَ الرَّحْمٰنُ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں (رحمٰن) بھی تو گناہوں کا گواہ ہوں۔ تم اوروں کا خیال کرتے ہو کہ فلاں دیکھ رہا ہے، فلاں دیکھ رہا ہے، یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ میں پروردگار بھی دیکھ رہا ہوتا ہوں۔ تم میرے حکموں کو توڑتے ہو تو قیامت کے دن میں بھی تمہارے گناہوں پر گواہ بنوں گا۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا:

﴿وَلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا﴾ (یونس:۶۱)

''تم کوئی عمل ایسا نہیں کرتے کہ قیامت کے دن ہم تمہارے اس عمل پر خود گواہ ہوں۔''

آپ سوچیے یہ کتنی بڑی بات ہے کہ گناہ کرتے ہوئے ہم بچوں سے چھپتے ہیں، لوگوں سے چھپتے ہیں کہ کوئی نہ دیکھے ہم اللہ تعالیٰ سے کہاں چھپ سکتے ہیں؟ اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بھی گواہ ہوں گے۔ آج کے اس دور میں ہم تو جانوروں سے بھی گئے گزرے بن گئے۔ وجہ کیا ہے کہ بکری مالک کے اشارے پہ گھاس کھانا بند کر دیتی ہے، ہم اپنے پروردگار کے حکموں پر گناہ کرنا بند نہیں کرتے۔ لوگ ڈاکٹر کے کہنے پر میٹھا کھانا چھوڑ دیتے ہیں، نمک کھانا چھوڑ دیتے ہیں، ہم پروردگار کے فرمانے پر

گناہ کرنا کیوں نہیں چھوڑتے؟ ہم اللہ رب العزت کے سامنے اس قدر تو فرمانبردار بننے کی کوشش کریں کہ رب کریم نے جن کاموں سے منع کیا ہے ہم ان کاموں سے رک جائیں۔

توبہ کا عہد:

ہاں اگر اس میں ہمارے لیے مشکل ہے تو آج کی اس محفل میں ہم اپنے گناہوں سے سچی توبہ کر کے معافی مانگیں اور نیت کریں کہ اللہ! میں گناہوں سے بچنا چاہتا ہوں، میرے لیے بچنا مشکل ہے آپ کے لیے بچا دینا آسان ہے، اے پروردگار! مجھے گناہوں کی ذلت سے محفوظ فرما دینا، معصیت کی ذلت سے محفوظ فرما دینا، اللہ تعالیٰ سے جب مانگیں گے تو اللہ تعالیٰ پھر نیکو کاری کی زندگی ہمارے لیے آسان فرمائیں گے۔

وہ بچیاں جن کو آج سندیں ملیں مبارک باد کے لائق ہیں، ان کے والدین عزیز و اقارب سب مبارک باد کے لائق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان بچیوں کو قرآن اور حدیث پڑھنے کے لیے قبول فرمایا۔ یہ ماں باپ کے لیے صدقۂ جاریہ بنیں گی آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بنیں گی، اللہ رب العزت ان بچیوں کو اپنی مقبول بندیوں میں شامل فرمائے، ان بچیوں کو اپنے گھروں کے اندر نبی ﷺ کی سنتوں کو زندہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے مال کو اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمائے۔ جو مرد حضرات مسجد میں آئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کا بھی چل کر آنا قبول فرمائے اور آج کی اس مجلس کے بدلے اللہ تعالیٰ ہمارے پچھلے گناہوں کو معاف فرمائے۔ آج وقت ہے گناہوں کو بخشوا لینے کا، ربِ کریم کے سامنے سچے دل سے ہم توبہ کر لیں پروردگارِ عالم مجھے گناہوں کی ذلت سے محفوظ فرما۔

غمِ حیات کے سائے محیط نہ کرنا
کسی غریب کو دل کا غریب نہ کرنا
میں امتحان کے قابل نہیں میرے مولیٰ
مجھے گناہ کا موقعہ نصیب نہ کرنا

اللہ ہمیں گناہ کے مواقع سے ہی بچا لیجیے اور جو گناہ کر چکے اللہ ان کی بخشش فرما دیجیے اور آئندہ ہمیں نیکوکاری کی توفیق عطا فرمائیے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِھٰذَا وَ مَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْ لَا اَنْ ھَدَانَا اللّٰهُ﴾ (الاعراف:۴۳)

بیان: محبوب العلماو الصلحا، زبدۃ السالکین، سراج العارفین

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی

مجددی مدظلہم

اقتباس

پہلے زمانے میں یہ نعمت بڑے مجاہدوں سے ملتی تھی، آج کے زمانے میں آسانی سے مل جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ماں باپ کا جو بچہ کمزور ہوتا ہے وہ اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتے ہیں، اسے ہلکا پھلکا کام دیتے ہیں اور تھوڑے کام پر زیادہ تعریف کرتے ہیں اور زیادہ شفقت سے پیش آتے ہیں۔ ماں باپ ہمیشہ بچوں میں کمزوروں پر زیادہ شفیق ہوتے ہیں، اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے کمزور بندوں پر زیادہ مہربان ہیں۔ اور تھوڑی سی طلب اور مجاہدے پر ہدایت عطا فرماتے ہیں۔

(حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ)

ہدایت بڑی نعمت ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾ (الم نشرح:۴)
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

قرآن مجید کتابِ ہدایت ہے:

قرآن مجید، فرقانِ حمید، کتابِ ہدایت ہے۔ انسان کو سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے، پیدا ہونے سے لے کر جنت میں جانے تک سیدھے راستے کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس کتاب کو اللہ نے کتابِ عبادت نہیں کہا، کتابِ ہدایت کہا۔ تو قرآن مجید کا اولین مقصد ہدایت کے راستے کی نشاندہی کرنا ہے۔

ہدایت انسان کی بنیادی ضرورت:

ہدایت کے لفظ نے زندگی کے ہر شعبے کا احاطہ کیا ہوا ہے کہ تمہیں جب بھی ضرورت پڑے تمہاری رہنمائی کی جائے۔ جس طرح کھانا ضروری ہے، سونا ضروری ہے، ہدایت ہماری سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اس لیے ہم ہر نماز میں اللہ سے

﴿انُلْزِمُكُمُوهَا وَاَنتُمْ لَهَا كَارِهُوْنَ﴾ (ھود:۲۸)

کیا ہدایت کو ہم تمہارے اوپر چسپاں کر دیں جب کہ تم اس کو ناپسند کرتے ہو

اس ہدایت کے لیے دل میں طلب کا ہونا بھی ضروری ہے۔ ابوالحکم کا حضور ﷺ کے ساتھ قریبی رشتہ ہے، حضور ﷺ کا چچا ہے مگر ابوجہل بنا۔ صہیب رضی اللہ عنہ ہدایت کی طلب میں روم سے چلے، بلال رضی اللہ عنہ حبشہ سے آئے، حضور ﷺ کے قدموں میں آئے اور ہدایت پالی۔ تو ہدایت کا تعلق انسان کی طلب کے ساتھ ہے، طلب ہوگی تو اللہ ہدایت دے گا۔

﴿اَللّٰهُ يَجْتَبِىْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ﴾ (الشوری:۱۳)

آج ہدایت آسان ہے:

پہلے زمانے میں یہ نعمت بڑے مجاہدوں سے ملتی تھی، آج کے زمانے میں آسانی سے مل جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ماں باپ کا جو بچہ کمزور ہوتا ہے وہ اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتے ہیں، اسے ہلکا پھلکا کام دیتے ہیں اور تھوڑے کام پر زیادہ تعریف کرتے ہیں اور زیادہ شفقت سے پیش آتے ہیں۔ ماں باپ ہمیشہ بچوں میں کمزوروں پر زیادہ شفیق ہوتے ہیں، اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے کمزور بندوں پر زیادہ مہربان ہیں۔ اور تھوڑی سی طلب اور مجاہدے پر ہدایت عطا فرماتے ہیں۔

آج ہم فتنوں کے دور میں پیدا ہوئے ہیں۔ رسول ﷺ نے اس دور کے بارے میں فرمایا کہ ایک آدمی صبح کو مسلمان ہوگا اور شام کو کافر ہو چکا ہوگا اور شام کو مسلمان ہوگا اور صبح کو کافر ہو چکا ہوگا۔ جس دور سے ہمارے اکابر پناہ مانگتے تھے اس دور میں ہم پیدا ہوئے ہیں۔ حضور ﷺ کے زمانے سے چودہ سو سال کا زمانہ گزر گیا، یہ قربِ قیامت کا زمانہ ہے۔ یوں سمجھیے کہ جب چراغ جل رہا ہو اور ہوا چل پڑے تو

اس کے بجھنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ ہوا کا ایک جھونکا آیا اور اسے بجھا دیا۔ ہمارے دل میں ایمان کا چراغ جل رہا ہے، حالات کے جھونکوں سے اس کی حفاظت ضروری ہے۔

ایک مثال سے سمجھیے پہلے زمانے میں سفر مشکل ہوتے تھے۔ جو آدمی حج پر جاتا چار ماہ حج سے پہلے چل پڑتا، جو بہت دور ہوتے وہ ایک سال پہلے چل پڑتے اور اگلے سال حج پر حاضر ہوتے۔ آج کے دور میں ابھی چلیں اور پانچ گھنٹے میں بیت اللہ شریف پہنچ جائیں۔ ہم مسکینوں اور کمزوروں کے لیے اللہ نے آسانی پیدا فرمائی۔ پہلے زمانے میں پوری دنیا کا سفر مشکل تھا، آج کل بارہ گھنٹے میں دنیا کے دوسرے کونے پر اور دو دن میں پوری دنیا کے گرد گھوم جائیں۔ جس طرح اللہ رب العزت نے ہمارے جسمانی سفر میں آسانی پیدا کر دی ہے، اسی طرح روحانی سفر میں بھی آسانی پیدا کر دی ہے۔ شرط یہ ہے کہ آدمی نیک نیتی سے توبہ کر لے۔ جس سیزن میں کوئی سبزی مشکل سے ملتی ہو، تو کم کوالٹی کی سبزی کو بھی کہتے ہیں کہ چلو لے لو، مہنگے داموں ملتی ہے پھر بھی لے لو۔ آج کل قحط الرجال کا دور ہے، آج کل ہدایت بڑی آسانی سے مل سکتی ہے مگر طلب ضروری ہے۔

بیت اللہ شریف کو دیکھ کر ہدایت ملی:

میں ایک واقعہ سنا دوں کہ آج کل ہدایت کیسے آسانی سے ملتی ہے۔

مجھے ایک ملک میں بیان کرنے کا موقعہ ملا، مجھے ایک چٹ ملی کہ میں ایک نومسلم عورت ہوں کچھ پوچھنا چاہتی ہوں وقت دیجیے، انتظام کرنے والوں نے بات کرانے کا انتظام کیا۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ عورت پہلے یہودی تھی پھر مسلمان بنی لیکن اس کے اندر عبادت اور تقوی اتنا ہے کہ اس کو دیکھ کر لوگوں کے دل بدلتے ہیں۔ پردے کا انتظام ہو گیا، اس نے کچھ سوال پوچھے جن کے عاجز نے جواب دیے۔ وہ نماز اہتمام

سے پڑھتی تھی، بڑے اہتمام سے وضو کرتی، نماز کے لیے کئی خوبصورت کپڑے رکھے ہوئے تھے، پہن کر بن سنور کر نماز ادا کرتی تھی۔

﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (الاعراف:۳۱)

نماز پڑھتے ہوئے اسے یہی خیال ہوتا ہے کہ میں تو رب کے سامنے کھڑی ہوں۔ کہنے لگی کہ مجھے نماز پر پورا پونا گھنٹہ لگتا ہے، جب میں اپنے رب سے ہم کلامی کرتی ہوں تو وقت کا پتہ ہی نہیں چلتا، لذت ملتی ہے، دل کرتا ہے اور پڑھ لوں اور پڑھ لوں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ آپ مسلمان کیسے بنیں؟ اس نے کہا کہ آپ کا مطلب؟ میں نے کہا کس کے ذریعے سے اسلام قبول کیا؟ کلاس فیلو کے ذریعے سے دفتر کے کسی ساتھی کے ذریعے سے، یا کسی اور وجہ سے۔ کہنے لگی کہ مجھے اللہ نے ہدایت دی اور مسلمان بنی، الحمدللہ میں پکی مسلمان ہوں۔ میرا خاوند پی ایچ ڈی ہے، میں خود اسی کمپنی میں کام کرتی ہوں۔ ہماری کمپنی نے جدہ میں ایک دفتر کھولا، اس کے لیے ہم نے اپنا نام دیا، میرے خاوند کو دفتر کا ڈائریکٹر بنا دیا گیا اور ہم جدہ میں شفٹ ہو گئے۔

جدہ میں ہم رات کو باہر نکلتے تو کئی لوگوں کو دیکھتے کہ سفید چادر لپیٹی ہوئی ہوتی تھی، ہمیں وہ بڑے عجیب لگتے، پوچھا: یہ کیا ہے؟ بتا گیا کہ یہ اللہ کے گھر کی زیارت کرنے آئے ہیں۔ ایک دن دل میں خیال آیا کہ ہم بھی اللہ کا گھر دیکھیں تو بتایا گیا کہ غیر مسلموں کو وہاں جانے کی اجازت نہیں۔ ہم نے کہا کہ پھر بھی ٹرائی کرتے ہیں، اجازت ملی تو ٹھیک ورنہ واپس آجائیں گے، چنانچہ ہم چل پڑے۔

جس وقت ہم حرم شریف کی چیک پوسٹ پر پہنچے، کھانے کا وقت تھا، پولیس والے کھانا کھا رہے تھے۔ ایک آدمی ڈیوٹی دے رہا تھا، اس نے باڑ ہٹا کر اجازت دے دی، چنانچہ ہم حرم شریف پہنچے تو میں نے احتیاطاً ایک چادر باندھ لی تھی، چلتے

چلتے اس جگہ پہنچے جہاں طواف کرتے ہیں۔ بیت اللہ شریف کو دیکھا تو دیکھتے ہی رہ گئے ،نور ہی ایسا تھا کہ ہم نہال ہو گئے ۔ میں نے میاں کو دیکھا کہ آنکھوں میں آنسو تھے اس نے مجھے دیکھا، میری آنکھوں میں بھی آنسو تھے ۔ یہ سب کیا ہے؟ اس گھر کو دیکھ کر دل کو کچھ ہو رہا ہے، آپس میں ہم نے مشورہ کیا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان بن گئے ، دیکھیے ہدایت کتنی آسان ہے......!!!

تلاوتِ قرآن ہدایت کا ذریعہ بنی:

سندھ میں ہندو گھرانے کی ایک ہندو لڑکی اپنی مسلمان سہیلیوں کے ساتھ ان کے گھر آتی جاتی تھی ۔ بچوں کی ماں بچوں کو قرآن پڑھاتی ، یہ سنتی رہتی ، ہر وقت آنا جانا تھا، ایسی مقناطیسیت پڑی کہ فدا ہو گئی ۔ پوچھا کہ میں یہ کتاب پڑھ سکتی ہوں؟ بیٹی! اس کے لیے تو کلمہ پڑھنا پڑے گا۔ کیسے؟ مسلمان بننا پڑے گا۔ کہنے لگی: ماں باپ ماریں گے، اسلام کی اجازت نہیں دیں گے۔ کہا یہ تو ضروری ہے۔ اس نے کہا: کچھ بھی ہو میں قرآن پڑھ کر رہوں گی ۔ اس نے کلمہ پڑھ لیا۔ سہیلی کے ساتھ آتی جاتی رہی ، پڑھتے پڑھتے اس نے ناظرہ پورا کر لیا۔ جوان ہوگئی تو شادی کسی کٹر ہندو کے ساتھ ہوگئی ۔ اب پریشان ہوگئی ۔ اس نے قرآن پڑھانے والی باجی کو بتایا۔ بولی خالہ میں پریشان ہوں، کوئی طریقہ بتائیے؟ خالہ نے کہا: گھبراؤ نہیں، جب تیری شادی ہوگی، میں تجھے قرآن مجید جہیز میں دوں گی تنہائی میں پڑھتی رہنا، وہ مطمئن ہوگئی۔ خالہ نے کہا کہ میں کئی جوڑے خرید کر اس کا گفٹ پیک بناؤں گی ، اس میں قرآن مجید بھی ہو گا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا بہت ہی مضبوط پیکنگ میں سارا گفٹ بند کیا، پیکنگ اچھی کی، اور اسے رخصتی سے پہلے ہدیہ کیا اور تاکید کی کہ یہ دلہن کے گھر ہی جا کر کھولا جائے ۔ لڑکی نے ایسا ہی کیا، اسے اپنے کمرے میں کھولا اور اس میں سے قرآن مجید کو

نکال کر محفوظ کر لیا۔ اب خاوند جب چلا جاتا تو یہ قرآن پڑھتی رہتی۔ قرآن کی وجہ سے اس کے اندر کا ایمان محفوظ رہا۔ اسی اثنا میں خاوند کو بلڈ کینسر ہو گیا، خون تبدیل کیا، خاطر خواہ علاج کیا، مگر فائدہ نہ ہوا۔ چنانچہ ڈاکٹروں نے اسے لا علاج سمجھ کر واپس گھر بھیج دیا۔ ایک دن خاوند رونے لگ گیا، دلہن نے پوچھا کیوں روتے ہو؟ کہا لگتا ہے میں تجھ سے جوانی میں جدا ہو جاؤں گا۔ بیوی نے کہا میں آپ کو ایک دوائی پلاتی ہوں، اس سے آپ ٹھیک ہو جائیں گے لیکن وعدہ کریں اس کے بعد میں جو کچھ کہوں گی آپ وہی کریں گے۔ اس نے گلاس میں پانی لیا، اس میں اس نے دم کر دیا، خاوند نے پوچھا کیا کر رہی ہو؟ اس نے کہا کہ بس اس کو پی جائیں، آپ ٹھیک ہو جائیں گے۔ خدا کا کرنا ایسا ہی ہوا کہ اس کی حالت بہتر ہونے لگی، ہسپتال میں خون کا ٹیسٹ کروایا تو نیگٹو آیا، چہرے پہ سرخی آ گئی، خوش خوش گھر آیا کہ میں تو بالکل ٹھیک ہو گیا ہوں۔ اب بیوی نے کہا: آپ نے وعدہ کیا تھا، اس کو پورا کریں۔ خاوند نے کہا کیا کروں؟ بیوی نے کہا کہ اسلام کا کلمہ پڑھ لو! وہ ہکا بکا رہ گیا، یہ کیا کہتی ہو؟ بیوی نے کہا کہ تم نے وعدہ کیا تھا۔ دوسرے دن بیوی نے پھر مطالبہ کیا، خاوند نے کہا: تم کیوں ایسا کر رہی ہو؟ کیا تم مسلمان ہو؟ پھر بیوی نے پورا واقعہ سنایا کہ وہ قرآن کو سن کر مسلمان ہو گئی تھی۔ پھر اس نے بتایا کہ خالہ نے مجھے بتایا تھا کہ بیمار پڑ جاؤ تو سورۃ الم نشرح اور الحمدللہ پڑھ کر دم کرو، بیمار کو شفا ہو گی، میں نے یقین کے ساتھ یہ پڑھا اور آپ کو شفا ہو گئی۔ چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا۔

ظاہری سنت، ہدایت کا ذریعہ بنی:

ہم باہر ایک ملک میں تھے، ہم دو ہی دوست تھے، پارکنگ لاؤنج میں کھڑے تھے۔ اچانک ایک گاڑی نے ٹرن لیا اور ہمارے ساتھ دس فٹ کے فاصلے پر آ کر رک

گئی۔ وہاں عموماً ڈائریکشن لینے کے لیے اس طرح گاڑی روکتے ہیں، جب کوئی غلط سڑک لے لیتا ہے تو پھر دوسرے سے پوچھتا ہے۔ میں نے ساتھی سے کہا کہ اسے ڈائریکشن کی ضرورت ہے، جاؤ اس کو ڈائریکشن دو۔ جب وہ اس کے پاس جا کر واپس آیا تو کہا کہ وہ ایک انگریز لڑکی ہے، بدن پر پورے کپڑے بھی نہیں، کچھ پوچھ رہی ہے۔ میں نے کہا کہ جا کر جو پوچھتی ہے بتا دو۔ جب اس نے جا کر بتایا تو اس نے کہا کہ کیا میں ان کی طرح مسلمان بن سکتی ہوں؟ میں نے کہا ہاں کیوں نہیں!! میں نے اپنا سفید رومال دیا کہ اسے اوڑھ لے۔ کلمہ پڑھایا اور وہ گاڑی اسٹارٹ کر کے چلی گئی۔ اب اس کو کسی نے دعوت نہیں دی، فقط ظاہری سنت کو ایک نظر دیکھ کر اثر قبول کیا اور مسلمان بن گئی۔

خواب ہدایت کا ذریعہ بنا:

ہم ایک دفعہ رشیا گئے، ماسکو میں ایک نوجوان ملا، اس سے بات ہوئی تو اس نے کہا کہ کلمہ پڑھائیے، ہم نے کلمہ پڑھا دیا اور وہ مسلمان بن گیا۔ اس نے کہا کہ میں بائیس گھنٹے کی مسافت سے آیا ہوں، ہمارا ایک کلب ہے ''پریذیڈنٹ کلب'' جس میں پینتالیس مرد ہیں، اگر آپ تھوڑی دیر کے لیے آجائیں گے تو سب مسلمان بن جائیں گے۔ میں نے مولانا عبداللہ صاحب سے مشورہ کیا اور اس کی دعوت قبول کرلی۔ بائیس گھنٹے نان سٹاپ چلے اور اس شہر پہنچ گئے۔ اس نے سب ساتھیوں کو جمع کیا، اس نے سب کے سامنے ایک سوال پوچھا کہ ہم سب کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ یہودی، عیسائی، مسلمان سب خود کو حق پر سمجھتے ہیں، آپ ہمیں اسلام کی حقانیت کے بارے میں بتائیں۔ تو اس عاجز نے ایک گھنٹے تک ان کو ٹھوس باتیں بتائیں۔ تب میں

نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ کو آپ کے سوال کا جواب مل گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں جواب مل گیا اور اب ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں مسلمان بنائیں، ہم کلمہ پڑھتے ہیں۔ ہم نے انہیں کلمہ پڑھایا اور ارکان اسلام کی تعلیم دی۔

انہوں نے بتایا کہ یہاں کوئی مسلمان نہیں ہے، جس سے ہم اسلام سیکھیں، آپ ہمیں نماز کا طریقہ بتائیے اور نماز کی وڈیو بنا کر دیجیے ہم دیکھیں گے اور سیکھیں گے۔ میرے پاس رشیا کے علما تھے انہوں نے کہا کہ حضرت! ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ان کو اذان کی ویڈیو بنا کر دے دیتے ہیں۔ چنانچہ ویڈیو والے کو بلوایا گیا، ویڈیو والا جب آیا، پریذیڈنٹ کلب سے ملا، پوچھا یہ کون ہے؟ تعارف کرایا، اس نے کہا کہ میں تب ویڈیو بناؤں گا جب یہ مجھے بھی مسلمان بنائے گا۔ میں نے کہا کہ اس سے پوچھو یہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟ جب اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ میں نے یہی بندہ خواب میں دیکھا تھا۔ چنانچہ اسے خواب کے ذریعے سے ہدایت مل گئی۔ کسی نے بیت اللہ شریف کو دیکھا ہدایت مل گئی، کسی نے آذان کو سنا تو ہدایت مل گئی، کسی نے قرآن کو سنا، ہدایت مل گئی اور کسی نے ظاہری سنت کو دیکھا تو ہدایت مل گئی۔ سوچیے آج کے دور میں ہدایت کتنی آسانی سے ملتی ہے۔ آج کے دور میں فتنے بہت، آگے پیچھے فتنے ہی فتنے ہیں، مگر آج کے دور میں ہدایت بھی اللہ نے آسان کر دی۔

دسویں حصہ عمل پر پورا ثواب:

کسی نے بات کی کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں پیدا فرماتا تو کتنا اچھا ہوتا؟ بھئی! اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں پیدا ہوتے اور ہدایت قبول نہ کرتے تو پھر کیا ہوتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قربِ قیامت میں ایک ایسا دور بھی آئے گا کہ جب مسلمان دسواں حصہ عمل کرے گا تو اسے پورا ثواب ملے گا۔ بھئی! اللہ تعالیٰ آسان نمبر لگاتے ہیں، اس کی رحمت جب جوش میں آتی ہے، انسان کے سارے گناہ معاف کر دیتے ہیں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ظہور اتنا زیادہ ہوگا، اتنا زیادہ ہوگا کہ شیطان کو بھی بخشش کی امید لگ جائے گی۔

ایک گناہ گار کو توبہ کی توفیق:

ایک واقعہ سنیے! سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک نوجوان کو گناہ کی عادت تھی۔ لوگوں نے بات موسیٰ علیہ السلام تک پہنچائی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو بلا کر سمجھایا۔ وہ پھر بھی مرتکب ہو گیا، پھر سمجھایا، پھر مرتکب ہو گیا۔ حضرت موسی علیہ السلام نے آخر اس کو کہا کہ تم بستی چھوڑ کر کہیں باہر چلے جاؤ، تمہاری وجہ سے کہیں عذاب نہ آجائے۔ چنانچہ وہ بستی چھوڑ کر جنگل کی طرف چلا گیا۔ کچھ گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ جو لوگوں سے علیحدگی کی وجہ سے چھوٹ جاتے ہیں۔ جب وہ بستی چھوڑ کر چلا گیا تو اسے اپنے گناہوں کا احساس ہو گیا کہ میں اتنا برا ہوں کہ لوگوں کو مجھ سے نفرت ہو گئی ہے۔ بستی سے اتنا دور چلا گیا کہ نہ بندہ نہ بندے کی ذات، اسے شدت سے یہ احساس ہونے لگا کہ لوگ مجھے اتنا برا سمجھتے ہیں کہ بستی میں مجھے اپنے پاس رکھنا پسند نہیں کرتے۔ چنانچہ اس نے گناہوں سے پکی سچی توبہ کر لی اور اللہ کے حضور دعائیں مانگنے لگ گیا۔ اللہ! میں نے اپنے رشتہ داروں نے چھوڑا، ہمسائیوں نے چھوڑا، اس بستی والوں نے چھوڑا، مولیٰ کہیں آپ بھی نہ چھوڑ دینا۔ لوگ مجھے اپنے پاس رکھنا بھی پسند نہیں کرتے، میرے مولا! میں آپ کے در پہ آیا ہوں، کہیں آپ دھتکار نہ دینا،

اللہ رب العزت نے اس بندے کی توبہ قبول کر لی اور اسی وقت اس کی روح پرواز کر گئی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغام بھیجا کہ پہاڑ کے پاس میرا ایک دوست مردہ پڑا ہے، جا کر اس کا جنازہ پڑھا دیں اور اپنی قوم کو بھی بتا دیں کہ وہ میرا ایسا دوست ہے کہ جو اس کا جنازہ پڑھے گا، پڑھنے والے کی مغفرت ہو جائے گی۔ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں جو اگر کسی کا جنازہ پڑھ لیں تو اس مردے کی مغفرت ہو جاتی ہے، کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کا جنازہ پڑھنے سے پڑھنے والوں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام جب اس جگہ پہنچے تو دیکھا کہ وہی شخص ہے جس کو بستی سے نکالا گیا تھا۔ حیران ہوئے، اللہ تعالیٰ سے سوال کیا، اے اللہ! کیا وہ یہی بندہ ہے جس کا جنازہ پڑھانے کا حکم ہے؟ اللہ رب العزت نے پیغام بھجوایا کہ ہاں یہ وہی شخص ہے، اس نے ایسی سچی توبہ کر لی تھی کہ اگر قیامت تک آنے والوں کے گناہوں کی بخشش کی دعا مانگتا تو میں انہیں بخش دیتا۔

آخر وقت میں ایمان کی حفاظت:

تو دوستو! فتنوں کے اس دور میں ایمان کی حفاظت بہت ضروری ہے۔ ہم سے تو گھر کی چیزوں کی حفاظت نہیں ہوتی، ایمان کی حفاظت تو بڑی چیز ہے۔ دعا کیجیے! اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے۔ دوستو! موت کے وقت انسان کے ہوش ٹھکانے نہیں ہوتے، شیطان اس وقت زور لگاتا ہے کہ انسان کو سیدھے راستے سے ہٹا دے۔ جو بندہ پابندی سے، مسواک کر کے، اہتمام کے ساتھ وضو کرتا ہے، اہتمام سے نماز پڑھتا ہے، اللہ رب العزت ملک الموت کو کہتے ہیں کہ شیطان مردود کو اس بندے کے پاس سے بھگا دے اور اس بندے کو کلمہ یاد کرا دے۔ ہم دعا کرتے ہیں

کہ اللہ رب العزت ہم کمزوروں پر احسان فرمادے اور آخری وقت کلمہ پر موت عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ